



MOULANA HUSAIN AHMAD MADNI AND HIS CONTRIBUTION IN ACADEMIC FIELD

DISSERTATION

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Master of Philosophy

BY

IMDADUL HAQUE

Under the Supervision of

Dr. Iqbal Hasan Khan

READER

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY

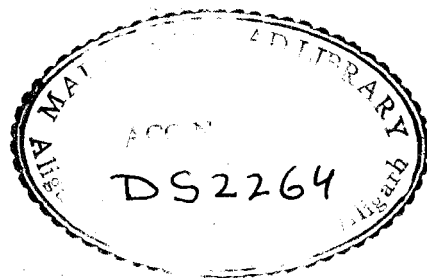
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

ALIGARH (INDIA)

1992



DS2264



25 JUN 1994



شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی علمی خدمات

مقالہ برائے ایم فل

نگراں

ڈاکٹر اقبال حسن خاں
(ریڈر شعبہ دینیات)

مقالہ نگار

امداد الحق

شعبہ دینیات

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۹۹۲ء

فہرست

صفحہ

عنوان

- | | | |
|----|--|---|
| ۱ | مقدمہ | ① |
| | باب اول - قیام دارالعلوم دیوبند | |
| ۱۶ | منظر و پس منظر | ② |
| | باب دوم - شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ | |
| ۳۷ | خاندان | ③ |
| ۴۰ | جائے ولادت و ناک | ④ |
| ۴۰ | ابتدائی تعلیم و تربیت | ⑤ |
| ۴۲ | آغاز تعلیم دارالعلوم - دیوبند | ⑥ |
| ۴۵ | دساتیر کرام اور ان سے متعلقہ کتابیں | ⑦ |
| | باب سوم - | |
| ۴۷ | سفر مدینہ منورہ | ⑧ |

- ⑨۔ درس و تدریس مدینہ منورہ ۵۲
- ⑩۔ والسبی بنہ وستان ۵۲
- ⑪۔ مدینہ منورہ کا دور اقیام ۵۲

باب چہارم۔ بحیثیت شیخ الحدیث

- ⑫۔ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم گلگتہ و سوات ۵۱
- ⑬۔ صدارت دارالعلوم دیوبند ۶۰
- ⑭۔ درس حدیث حضرت مدنی ۶۲
- ⑮۔ خصوصیات سنن ترمذی ۶۳
- ⑯۔ درس ترمذی شریف ۶۴
- ⑰۔ درس بخاری شریف ۶۵
- ⑱۔ خصوصیات درس ۶۷

باب پنجم۔ تعارف علم حدیث حضرت مدنی کی درس ترمذی کی افشانی تقریر

صفحہ

عنوان

- ۷۲ (۲۰) تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۷۳ (۲۱) عصمت انبیاء کرام
- ۷۴ (۲۲) مجتبیٰ ومصطفیٰ
- ۷۵ (۲۳) مشنوں حفاظت
- ۷۸ (۲۴) اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۷۹ (۲۵) تفسیر و تاویل
- ۸۰ (۲۶) افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۸۱ (۲۷) خلاصہ بحث
- ۸۲ (۲۸) موضوع علم حدیث
- ۸۳ (۲۹) اقوال صحابہ کی حیثیت
- ۸۵ (۳۰) موضوع حدیث کی بالائری
- ۸۵ (۳۱) غرض و غایت حدیث
- ۸۹ (۳۲) تدوین قرآن و حدیث و فقہ

صفحہ	عنوان
۸۹	۳۱۔ نزول قرآن
۹۱	۳۲۔ تدوین قرآن
۹۲	۳۵۔ حفاظت قرآن
۹۲	۳۶۔ جمع قرآن
۹۲	۳۷۔ نزول قرآن علی سبہ احرار
۹۶	۳۸۔ لغت قریش
۹۶	۳۹۔ ترتیب قرآن
	باب ششم - تذکرہ و تبصرہ تصانیف حضرت مدنیؒ
۹۹	۴۰۔ حضرت مدنیؒ ایک صاحب قلم
۱۰۰	۴۱۔ رسائل، خطبات، مضامین و دیگر
۱۰۲	۴۲۔ وسیر مالٹا
۱۰۷	۴۳۔ نقش حیات
۱۱۲	۴۴۔ مکتوبات شیخ الاسلام
۱۱۵	۴۵۔ مصادر، ماخذ، مراجع

مقدمہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد

اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا جو تکوینی نظام فرمایا ہے اس میں

کتاب و سنت کی علمی و کتابی حفاظت کے ساتھ امت میں ایسے علماء، فقہاء اور صوفیائے ربانین کا مسلسل وجود بھی شامل ہے اور امت کی گزشتہ تقریباً چودہ سو سال کی دینی تاریخ کی شکل میں وہ ہمارے سامنے موجود بھی ہے اور یہ محفوظ تاریخ بھی اس خداوندی انتظام کے سلسلہ کی ایک مستقل کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی صفات رحمت و ربوبیت نے جب ہمارے

اس دور میں بھی دین کو زندہ و محفوظ رکھنے کا فیصلہ فرمایا تو اس کے حامل و محافظ بھی پیدا فرمائے۔ آج کے بحر ظلمات میں علماء و حق، فقہاء و دین اور صوفیائے ربانین کا وجود اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے اسی فیصلہ کا نتیجہ ہے۔

زیر نظر مقالہ جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے ہمارے اس دور کے اُسی سلسلہ

کے ایک صاحبِ علم و فن شیخ العرب و العجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی، رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کا ایک مختصر تذکرہ ہے۔

» طلب العلم فرض علیٰ کل مسلمہ و مسلمۃ «

علم حاصل کرنا تمام مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

» اطلبوا العلم من المهد الى اللحد «

تعلیم حاصل کرو ماں کی گود سے لیکر قبر تک۔

علم ایک دریا کی طرح ہے مسلسل بہتا اور سیراب کرنا جسکی فطرت ہے اگر وہ رک جائے تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے علم کی بھی یہی فطرت ہے۔ اس کے حصول کا میدان مہر سے لے کر تک ہے اگر اس درمیان کسی منزل پر پہنچ کر کوئی طالب علم یہ سوچ لے کر اب اس کو مطالعہ کی ضرورت نہیں رہی تو اس کے علم کی نہ صرف تجدید نہیں ہوتی بلکہ حاصل شدہ علم بھی ضائع ہونے لگتا ہے اور ایک روز ایسا آتا ہے جب طالب علم کے پاس صرف ڈگریاں ہی رہ جاتی ہیں۔

علم کا نتیجہ عمل ہے اور علم کے حصول کا مقصد جہل کی تاریکیوں کو دور کرنا اور

معاشرہ کی اصلاح و تربیت ہے علم برائے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اسلام میں علم ایک خاص اصطلاح ہے جس سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے

یہی دو چیزیں بنیادیں اور علم کی اساس ہیں۔ دوسرے علوم جو معاشرے کی اصلاح و تعمیر و ترقی کیلئے ضروری ہیں وہ اس کے فروع ہیں جن کے حصول کی ہمت افزائی اسلام کرتا ہے مگر لازمی قرار نہیں دیتا۔ اگر کوئی طالب علم علم فروع اور جزئیات کا علم حاصل کرتا ہے تو وہ اصل سے غافل ہے اور علم کا سہرا اس کے ہاتھ نہیں لگا ہے اور اگر ایسے ہی کوئی اصل کو حاصل کرنے کے بعد جزئیات کے حصول میں اس کو ضائع کر دیتا ہے تو گویا اصل کو ہی ضائع کرتا ہے۔ ان دونوں کا علم اصلاح و تعمیر و ترقی کیلئے غیر مفید اور نقصان دہ ہے اور آج جہل گمراہی، بے راہ روی، خدا اور آخرت کی فراموشی کا سبب بھی یہی ہے۔ کتاب الہی اور سنت نبویؐ جو روشنی کے دو خزانے تھے ان سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا ہے اور علم کے حصول کی ترتیب بدل دی ہے ہم فروع کو ہی اصل سمجھنے لگے یا اصل کو فروع کے حصول میں ضائع کر بیٹھے نتیجتاً دنیا تاریکیوں میں ڈوب گئی اور ہر طرف اندھیرے کا راجہ ہو گیا۔ اے کاش کہ ہم روشنی کے ان خزانوں کی طرف پھر رجوع کریں جس چراغ کو روشن رکھنے کیلئے ہماری اسلاف و اکابر نے جان تک کی قربانیاں دیں۔ سرزمین ہند میں مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ تمیز دہند ہواؤں میں بھی اس چراغ کو محفوظ رکھا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالغنیؒ اور احمد شہید رحمہم اللہ علیہم نے اسے جلا بخشی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہم اللہ وغیرہم نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا جو دارالعلوم کی شکل میں وجود پذیر ہوا اور کاغذ بنکر اس چراغ مصطفویٰ کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ علم دین کی نئی جوت جگائی اور شرک و بدعات اور کفر و ظلمت کی زبردست باد مخالف میں نہ یہ کہ صرف اس چراغ کو بچایا بلکہ دین و ایمان کے مستون پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سینکڑوں قلعے تعمیر کئے اور چراغ علم قرآن و حدیث کی ٹو کو تیز سے تیز تر کیا اور ایک چراغ سے دوسرے چراغ پیدا کئے اور اس کے محافظین بھی کھڑے کئے۔ انھیں محافظین چراغ علم دین میں ایک محافظ کا نام مولانا حسین احمد مدنی ہے۔

کوئی بھی شخص سوائے انبیاء و کرام کے بیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا البتہ بڑا بننے کی قابلیت و صلاحیت ہر ایک میں موجود ہوتی ہے پھر جو بھی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ سے کار نمایاں انجام دیتا ہے وہی بڑا انسان شمار ہوتا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں جو کام بھی انجام دیا پورے عزم و استقلال اور انتہائی ہمت و حوصلہ کے ساتھ انجام دیا جسکی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی وہ بوڑھے اور ضعیف ہو جانے

کے باوجود دھمت و جوہلہ میں جو انفراد تھے جو تمام جوانمردوں سے سبقت لے گئے تھے۔ برطانیہ کا جس شان سے مقابلہ کیا وہ اپنی نظر آپ ہے۔ حصول آزادی کیلئے جو جہد کی اس کا نمونہ دیکھ لوگوں کی زندگیوں میں بہت کم دکھائی دیتا ہے پھر ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت و وقوت بہر قرار رکھنے کیلئے جو کارنامے انجام دئے وہ آپ کی زندگی کا ایک اچھوتا باب اور انمول حصہ تھا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کو ابتدائے تعلیم سے ہی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی تربیت میں رکھ کر اس پنجے سے سنوارا تھا کہ وہ بڑے ہو کر امتیاز ہند کی قیادت کر سکیں۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں غربت و تنگدستی نے ان میں جفاکشی اور صبر و تحمل کا مادہ پیدا کیا۔ حضرت حاجی امجد اللہ بہا جرمکیؒ کی خاص توجہ نے مزید جلا بخشی برہمابریس مدینہ منورہ روضۃ الطہر کے پاس بیٹھ کر کتاب و سنت کے درس نے ان کو مصفا کر دیا۔ قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے خلعت و دستار خلافت بخش کر ان کو جوہر قابل بنادیا اور آخر میں حضرت شیخ الہندؒ کی معیت میں اسارت مالٹائے رہی سہی کسر پوری کر دی اب وہ صرف مولانا حسینؒ نہیں رہے تھے کہ کسی خالقہ کے جبرے میں یا کسی مدرسہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر قنہائی میں دقت

گزار دیں وہ اپنے وقت کے تین مائے ناز شخصیتوں کے پروردہ تھے کہ جن کے متعلق بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ تینوں اپنے زمانے کے سب سے بڑے مسلمان تھے۔ مولانا مدنی نے جنید وقت مہاجر مکی حاجی امداد اللہؒ کی بزمِ عرفانی سے بارہ شری سے سرشار ہوئے قطب العالم مولانا گنگوہیؒ کی محفل ارشاد و ہدایت کے صدر نشین قرار پائے شیخ الہندؒ جیسے مجاہدِ اعظم کے قدموں میں بیٹھ کر جاں بازی و سرفروشی کا سبق سیکھا اب آپ بیک وقت بزمِ علم و عرفان کی شمع روشن، محفل ارشاد و ہدایت کے شہ نشین۔ میدانِ خدمت و سیاست کے شہ سوار، دائرۃ تارخ و اقتصاد کے مرکز، جامعہ شعر و ادب کے پیشرو و غرض علم و عمل کی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ آپ کا وجود گرامی دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا۔

شیخ العرب و العجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزمان، نادر العصر اور یکتائے روزگار تھے وہ اپنے تنوع علمی کمالات و باطنی مقامات، بے شمار محاسن، اعمال اور بے انتہا بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد اور بے مثال تھے۔

مولانا مدنیؒ کی زندگی کے تین دور پائے جاتے ہیں۔

پہلا دور خالص علمی خدمت کا دور تھا جو ابتدائے قیامِ مدینہ منورہ (۱۳۱۷ھ) سے شروع ہو کر

اسارت مالٹا (۱۳۳۳ھ) پر ختم ہوتا ہے اس تیرہ سال کی مدت میں آپ ہندوستان
 کئی مرتبہ واپس آئے اور حجاز مقدس کو روانہ ہوئے قیام ہند کے استثناء کے بعد کم و بیش
 تیرہ سال تک آپ نے مدینہ منورہ میں علم دین کی نشر و اشاعت میں صرف فرمائے اسی دور
 کی یادگار آپ کا خانہ کائنات رسالہ "الشہاب الثاقب" ہے جس میں بریلوی فتنہ کی بیخ کنی
 کی ہے۔

دور ادر مالٹا سے واپسی (۱۳۳۸ھ) کے بعد سے (۱۳۴۶ھ) تک دارالعلوم دیوبند کی
 صدارت عظمیٰ پر فائز ہونے تک کا ہے۔ یہ زمانہ علم کی خدمات کے ساتھ سیاسی گرمجوشی
 تحریک آزادی و تحریک خلافت کی غلبہ داری، فرنگی حکومت سے ٹکرائے اور اس کے نتیجہ
 میں قید و بند کا دور ہے جس میں آپ کے صبر و استقامت، اداوالو العزمی و جوانمردی اور
 سیاسی بصیرت و تدبیر کا ظہور ہوا۔

تیسرا دور دارالعلوم کی صدارت (۱۳۴۶ھ) سے میکروفنات تک کا زمانہ ہے
 جس میں بیک وقت آپ دنیا کے اسلام میں اپنے نوع کی واحد اور سب سے بڑی دینی
 درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بھی تھے اور اس مدت کے اکثر حصہ میں ہند
 و مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کی کفیل جماعت و جمعیتہ علماء ہند کے صدر و رئیس مجلس تھے۔

ان تین ادارہ کے علاوہ مولانا کی زندگی کا ایک انمول باب یہ بھی ہے جس کا ظہور اسارت مالٹا کے وقت ہوا کہ آپ اپنے مربی و شفیع استاد کے ساتھ والہانہ شغف - بے مثال وفا شعاری اور کمال عقیدت و خدمت گزاری میں

مولانا کی زندگی میں ایک جوہر نایاب یہ بھی تھا کہ وہ عارف باللہ اور شیخ طریقت بھی تھے جن کے ہاتھ پر لاکھوں بندگانِ خدا نے ہدایت پائی اور کتنوں کو معرفتِ خداوندی نصیب ہوئی۔

بہر کیف میرے مقالہ کا عنوان مولانا حسین احمد مدنیؒ کی "علمی خدمات" ہے لہذا آئندہ صفحات میں اسی کے تحت بحث ملے گی۔ مولانا کی ان چہار چہتی ادارہ حیات کی تفصیل لکھنے کا حق ان کے مستقل سوانح نگار کو ہے۔ یہاں پر میں نے مولانا کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ اسلئے پیش کیا ہے تاکہ ان کی زندگی کو سمجھنے میں معاون ہو سکے۔

مولانا کی علمی خدمات کا جائزہ پیش کرنے سے قبل ان کی دلدن اور ابتدائی تعلیم و تربیت کو پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں قیام دارالعلوم دیوبند کا منظر و پس منظر بھی شامل کیا گیا ہے اسلئے کہ مولانا کا کوئی تذکرہ دارالعلوم دیوبند کے بغیر۔ اور دارالعلوم دیوبند کی کوئی بھی

علمی، ادبی، دینی، سماجی اور سیاسی تاریخ۔ بغیر مولانا مدنی کا تذکرہ کئے ادھوری رہیگی۔

مقالہ کی تیاری اور آخری مراحل تک پہنچانے میں جن کی معاونت شامل حال رہی اب ان کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے قبل اپنے کرم فرما و مشفق و محترم نگراں قابل تعظیم استاد عالی خطاب محترم و مکرم ڈاکٹر اقبال حسن صاحب دامت برکاتہم کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ باوجود کثرت مشاغل میری رہبری و رہنمائی فرمائے ہوئے اپنے بیش قیمت مشورے اور ساتھ ہی بہت ہی اہم ذاتی کتابیں عنایت فرمائیں جس کے بغیر مجھے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری یا اس کے علاوہ شعبہ جات کی لائبریریوں میں میرے عنوان کے متعلق بہت سی اہم کتابیں موجود نہیں ہیں۔ آپ کے تعاون سے ایک نادر کتاب دہلی سے بھی دستیاب ہوئی۔ میں ایک حقیقت کا انکشاف کرنا از حد ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ میرے موجودہ تعلیمی دور میں گزشتہ سال ایک ایسا موڑ آیا جب میں ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو رہا تھا جس سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اب تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور انجام کوئی امید بھی نظر نہیں آرہی تھی جس سے میں علمی پیاس بجھانے کیلئے پُر امید ہوتا

لیکن سیرے بین اہم دوست اور بھتی خواہ ایسے بھی تھے خدا ان کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے مجھے یکسو رہنے اور تمام ماساعد حالات سے نمٹنے کیلئے اپنے قیمتی اوقات بچاؤ کر کے حالات کے وقتی تناؤ کو بھول جانے کی تلقین کرتے رہے اور دن و رات کے کسی بھی حصہ میں ملاقات کر کے سوائے علمی گفتگو اور بالخصوص مجھے ایم۔ فل مکمل کر لینے اور تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھانے کیلئے مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے کوئی دوسرا موضوع نہ چھیڑتے جبکہ دیرینہ دیگر بھتی خواہ اس کے برعکس انھیں موضوعات پر باتیں کرنا شروع کرتے جس سے دماغی الجھن، ذہنی تناؤ اور غبار خاطر اور فکری کشیدگی کے اسباب پیدا ہوتے جس سے کہ میرے لئے پرہیز کرنا اس مرحلے تک پہنچنے کیلئے بے حد ضروری تھا۔ لہذا انہیں اپنے ان تین کرم فرماؤں اور اپنے سب سے زیادہ مخلص اور بے لوث چاہنے والے حقیقی دوستوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جن کی معیت و قربت نے مجھے صبر و استقلال، قناعت و توکل کے ساتھ جوش و ولولہ اور انگ و حوصلہ، اولوالعزمی اور جدوجہد کا راستہ دکھلایا اور ان کے علمی مذاق اور شائستہ صحبت نے یکسوئی عطا کی جس مقالہ پورا کرنے کا بہترین موقع فراہم ہوا۔ ان میں پہلے دوسرے جناب مولانا مفتی منور علی صاحب قاسمی۔ دوسرے ڈاکٹر امتیاز احمد ندیم صاحب استاد و صدر شعبہ قوانین مدرسا عالیہ عربیہ منو (رئیس) اسکالر بنارس ہندو یونیورسٹی) اور تیسرے

محفوظ الرحمن صاحب (ایل۔ ایل۔ بی) ایڈوکیٹ ضلع دیوانی سٹو۔ ہیں ان لوگوں کا یہ ہے کہ
ممنون و مشکور ہوں اور معالہ کو آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے پر ان کی وفاداری، حقیقی ثبوت
اور سچی دوستی ہر فخر کرتا ہوں۔

اگر میں دیگر اپنے چار مخلص کرم فرماؤں گا تذکرہ نہ کر دوں تو بڑی ناسپاسی
اور احسان ناشناسی ہوگی ان میں تین کی حیثیت بڑے بھائیوں جیسی ہے وہ ہیں ڈاکٹر
محمد اکبر فریدی (اسکار ایم۔ ڈی) محمد اجل خان طبیبہ کالج علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
مولانا ڈاکٹر مسہیل احمد صاحب قاسمی (اسکار ایم۔ ڈی) محمد اجل خان طبیبہ کالج علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
ڈاکٹر محمد شعیب انصاری لکچرر شعبہ کامرس علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ ان حضرات
میں اول الذکر پہلے دو نے مقالہ کی اصلاح اور کتابت و طباعت میں بھرپور معاونت فرمائی
آخر الذکر کا شکریہ اس لئے ادا کرنا غرضی ہے کہ علیگڑھ کی تعلیمی زندگی کا آغاز انھیں کی
جدوجہد کامرہون منت اور اس لئے بھی کہ اس مقالہ کے تیار کرنے میں جہد مسلسل کی برابر تلقین
کرتے رہے۔ چوتھے صاحب کا شمار اپنے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے ہے جو کہ فریبی عزیز ہونے
کے ساتھ رفیق یار بھی ہیں مولس و مددگار بھی یعنی مولوی مسعود احمد منظمی۔ ریسرچ اسکالر
شعبہ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آپ نے کتابوں کی فراہمی کیلئے دیوبند کے سفر میں

میرا ساتھ دیا اور تین روز تک قیام کا بندہ و بستی بھی اپنے ذمہ لیا اور دارالعلوم کے کتب خانہ سے بہت سے علمی مآخذ جمع کر کے میری بھرپور مدد فرمائی اسکے علاوہ بھی دایے۔ درے قذافی۔ ریختے۔ معاونت کرتے ہوئے بسا اوقات قلم کاغذ خود خرید کر لاتے اور مجھے عنایت کر کے پریشانیوں سے بچا لیتے۔ اپنے ایک سابق استاد عالی جناب ڈاکٹر محمد ظہور الحق صاحب کا ریڈر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور ایک اہم استاد عالی جناب مولانا قاری محفوظ الرحمن صاحب۔ استاد حدیث و فتنہ جامعہ مفتاح العلوم سٹو کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے ہمیشہ شفقت کا برتاؤ کیا اور تمام علمی پیچیدگیوں کو سلیج کر میرے ذہن کو فرحت و انبساط عطا ہو گیا۔ اس کے بعد میں ان عظیم ہستیوں کا ذکر کرنے جا رہا ہوں جن کا ممنون و مشکور ہونا نہ یہ کہ صرف فرض ہے بلکہ راہ نجات کا ذریعہ بھی ہے اور وہ عظیم شخصیتیں ہیں مشفق و مہربان والدین کرام کی۔ میری تعلیمی زندگی کا مسندِ اتمام اور آپکے ہاتھوں میں میرے اس تحقیقی مقالے کی جلد کا ہونا ذریعہ ہیں یہی دو عظیم و کرم فرما ہستیاں۔ بخدا میں ایم۔ اے کر لینے کے بعد شاید ایک قدم بھی تو گئے نہ چل پاتا اگر میرے والدین عطا کر میری دار و گیر نہ فرماتے کیونکہ اپنے اور بیگانے تعلیم سے زیادہ دولت کے حصول میں جان قربان کرنے والے کچھ بھی خواہ۔ بمقابلہ نذر و جواہر یعنی دولت دنیوی تعلیم اخروی یا عصری کو ثنائی حیثیت

دینے والے دیگر کرم فرماؤں نے اپنے ماحول میں رکھنے اور فرسودہ رسم و رواج کو گلے میں
 ڈال دینے کے بعد زندگی تلخ بنا دینے کے درپے تھے مزید برآں علم کے حصول سے یکسر
 کالعدم ہو جانے کیلئے اپنے خطرناک حربے استعمال کرتے رہے لیکن مجھے - علمی پیاس کو بجھانے
 کیلئے کسی ادارے سے چپکے رہنے پر طعنوں کی سوغات دینے لگے پڑھا لکھا جاہل ،
 بد اخلاق ، اور والدین کا نافرمان ہونے کا الزام اور دیگر بیہوش ترائیاں کی جاتی رہیں
 اپنے بیٹے سے بے انتہا پیار و محبت کرنے والے حساس دل والدین کے سامنے اس کے بیٹے کو
 گالیاں اور تہمتیں لگا کر ذہنی الجھن کا شکار بنانے کی انتھک کوشش کی گئی مگر واٹے ناگامی
 پاکہ ثبات میں جنبش نہ پیدا کر سکے ۔ میں ہزار بار قرباں جاؤں اپنے والدین ہر کہہ گالیاں
 کھا کے بھی بے مرنہ نہ ہوئے ۔ مجھے اپنے دکھ ، درد ، اظہاف ، ٹیس ، الجھن اور لڑائی
 سے بے خبر رہنے کی کوشش کر کے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے رہے ۔ تعلیم سے محبت کرنے ہر
 سراہتے رہے اور سچے مڑ کر کبھی نہ دیکھنے کی تلقین کرتے رہے اور میری ہر ممکن مدد اور محنت
 افزائی کرتے رہے ۔ اب اگر میں ان حالات کے باوجود اپنے والدین کا ذکر نہ کر کے ان
 کا شکریہ ادا نہ کرتا اور انکے احسان عظیم کو نہ گردانتا تو شاید مجھ سے زیادہ بد بخت کوئی اور نہ ہوتا اور
 اس بڑے احسان فراموش کوئی اور نہ ہوتی ۔ آخر میں خدائے وحدہ لا شریک سے سر بسجود ہو کر

اس کے حضور دست بستہ فریاد کرتا ہوں کہ اے رب کریم میری زندگی کی سبب سے
 پہلی دعا جو قبول فرمائے اسیں میرے والدین کچھ تھمتدی اور درازئی عمر کا فیصلہ
 فرماتے ہوئے آئندہ کی بھی تمام مقبول دعاؤں میں مجھے اور میرے والدین جب ترے
 حضور جانے کا وقت آئے تو ایمان کے ساتھ اپنے پاس بلانا اور اپنے فضل و کرم کا
 معاملہ فرمائے ہوئے بے حساب کتاب جنت الفردوس کے اعلیٰ مراتب پر فائز فرمانا۔
 اور اپنے خصوصی کرم سے اپنا دیدار نصیب فرمانا۔ اللھم آمین۔

اور رب بالکل اختتام پر پہنچ کر اپنی تمام بہنوں کا ذکر کر کے حق شکر
 ادا کرنا چلوں کہ ان تمام نے جو کچھ مجھ سے چھوٹی ہیں ہر قدم پر حوصلہ افزائی کی اور
 میری کامیابی و کامرانی کی دعائیں اللہ کے حضور رزی رہیں۔

دیگر اپنے ان تمام احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مقالے
 کی تیاری میں مدد فرمائی اور ایک اہم نام کا بھی ذکر ضروری ہے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ
 اسلامک اسٹڈیز کے ریڈر ہیں یعنی ڈاکٹر رشید الوحیدی جنہوں نے زندگی کی
 پہلی ہی ملاقات میں بغیر کسی جاں پہچان کے صیبت ہی اہم اور گراں کتاب ”شیخ الاسلام
 مولانا حسین احمد مدنی۔ ایک سوانحی و تاریخی مطالعہ“ مؤلفہ فرید الوحیدی عنایت فرمائی

اور اپنے دولت کدہ پر لے جا کر دیگر کتنے ہیں بھی دکھائی اور مفید مشوروں سے بھی نوازہ۔
 اب آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت میرے اس مقالہ کو قبولیت کی سند عطا فرمائے اور مغفرت کا ذریعہ بھی۔ - وصا علینا الا البلاغ -

امداد الحق
 ۲۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

باب اول
قیام دارالعلوم
منظرویں منظر

منتظر و پس منظر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب انسانی سلسلہ کا آغاز فرمایا اور
بابا آدمؑ کو زمین پر بھیجا تو سب سے پہلے آپ کو ہی اپنا خلیفہ و پیغمبر

بنایا انسان کی رہنمائی فرمائی اور اپنے وجود وحدۃ لاشریکہ اور خالق کائنات ہونے کا علم عطا کیا ۱۔ درحقیقہ
شاہراہ مسلسل کی نشان راہ قائم فرمائی جو اسی ذات واجب سے چلتی اور اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

اسلامی تاریخ کا آغاز یہیں سے ہو کر سلسلہٴ انسا بن عہد رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے
آدم علیٰ نبیہما علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "من انصاری الی اللہ" کے ذریعہ پیغمبرانہ دعوت کا آغاز فرمایا

جسے دین کا نام ملا جسکی غایت اللہ کی معرفت اسکی رضا جوئی اور اسکے احکام کی تعمیل ہے۔ وہی
ذات واجب الوجود اس شاہراہ مسلسل کی آخری منزل ہے۔ تماں پیغمبرانہ دعوت کا اجتماعی نقطہ نظر

وہی ایک ذات ہے جہاں تمام دینی محنتیں منتہیٰ اور سب دینی و مذہبی کاوشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہی
منزل حقیقی ہے جو اسے پالے پھر اس کا انتقال بھی وصال بن جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی "من انصاری الی اللہ" کہہ کر نبلا یا کر میں خدا کی طرف بلانے والا ہوں۔
پیغمبروں کے بعد پیغمبروں پر ایمان لانے والے اس شاہراہ کے دائمی رہے اور ان کی پیروی

اس شاہراہ سے ملانے والی نیکی کی راہ تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو لوگ ایمان
لائے قرآن مجید میں ان کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

"قد کانت لکم اسوۃ حسنہ فی ابراہیم والذین معہ" (۲۸۰ - المتحنہ)۔ بیشک تم لوگوں کیلئے
ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں اسوۃ حسنہ موجود ہے۔

نوامیس فطرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ ایک جماعت تاقیامت
حق پر قائم رہیگی اور یہ کہ ہر آئندہ نسل میں ایسے رجال کار کو کھڑا کرے گا جو دین سے غالیوں کی

تشریف اور باطل پرستوں کے غلط ادعا کی اصلاح کرتے رہیں گے اور حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات
کی طرف متوجہ کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں نے اپنے اپنے وقت میں لوگوں کو

اسی ایک منزل کی دعوت دی اور جو نیک راستہ دکھلایا اور اس پر گامزن ہونے کی تلقین کی وہ آئندہ نسلوں کیلئے نشاۃ راہ ہوتی گئی۔ نبوت کا یہ سلسلہ ظلمات کدۂ عالم کو نور پہنچانے کیلئے دقت حالات اور زمانہ کے شیب فراز کے ساتھ انسانی کشتی کو جیپا کر راہ ہدایت تک لانے کیلئے بتدریج چلتا رہا تا آنکہ اللہ رب العزت نے تاجدارِ مدینہ نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر ان کے ہاتھ میں سیادت و رسل کا جھنڈا اور سر پر خاتمیت انبیاء کا تاج پہنا کر بحرِ ظلمات میں انسانیت کی ہچکولے کھاتی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کیلئے مبعوث فرمایا جس سے قحط کی ماری ہوئی سوکھی اور بنجر زمین لہلہانے لگی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا عالم اس کے چمکنے ہوئے چہرہ کی شعاعوں جگمگا اٹھا وہ قلوب جو اپنے پیدا کرنے والے خدا سے اتنے نا آشنا ہو چکے تھے کہ اپنی جیسی حادث و فانی شخصیتوں بلکہ اس سے بھی کمزور اپنے ہی ہاتھوں تیار کی ہوئی انسانی مورتیوں کو اپنا خدا سمجھ کر پوجنے لگے اور اس مشکل کشا اور حاجت روا سمجھے ہوئے کفر و شرک کی تاریکیوں میں بھٹکنے لگے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر توجہ ہوئے اور اس مقناطیسی کشش سے ایسے موجد بنے کہ دنیا میں شرک و کفر کا وجود گراں گزرنے لگا اور انکی منتہی پر مراد صرف یہ رہ گئی کہ سطحِ عالم پر جو بھی پیدا ہو سوائے حق تعالیٰ کے کسی کا بندہ اور غلام نہ بنے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو قیامت تک کیلئے پورے عالم کیلئے ہدایت اور پوری انسان برادری کیلئے اصلاح و فلاح اور ذریعہ نجات ہے۔ حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور رسول ہیں جن کے دائرۂ نبوت کو ہر زمان و مکان پر محیط اور ابد الابد تک مستمر کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے حضور اکرم کو اس کارِ رسالت کی ادائیگی اور اپنے دین کی دعوت و پیام کو عام کرنے کیلئے جن فرائض سے نوازا اس کا تذکرہ قرآن کریم نے کئی مقامات پر کیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام تاجدارِ مدینہ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیلئے دعائے فرماتے ہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں اسطر ۷۷ ہے۔

«وَرَبَّنَا الْبَعْثُ فِیْهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ تَبْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتُكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالحِکْمَہُ وَ

یٰٰزِکِیْهِمْ اَنْتَ الْغَزِیْزُ الْحَکِیْمُ» (سورہ البقرہ آیت ۱۲۹) - ترجمہ - اے ہمارے پروردگار

اس جماعت کے اندران ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کرے اور ان کو پاک کر دے بلاشبہ آپ ہی میں غالب القدر اور کامل الانتظام۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا لاکھ بحیثیت نبی کے یہ تھا کہ آپ لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھ کر انہیں اللہ کے دین اور احکام کی طرف بلائیں اور جو اس دعوت کو قبول کر لے انہیں قرآن کریم حکمت یعنی ارشاد نبوی اور کتاب دسنت کی سمجھ فقہ و احکام فرائض سے بہرہ مند فرمائیں۔ اور اپنی صحبت اور تربیت سے ان کے نفوس اور ارواح کو پاک فرمائیں۔ انہیں فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں حضور پر نور محمد مصطفیٰ کو جہد و جہاد اور دعوت و ارشاد کے دیگر احکام مرحمت فرمائے گئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

”فلا تطع الکافرین و جاہدہم بہ جہاداً کبیراً“ (الفراوان - ۵)

تو کافروں کا کہنا نہ مان اور بذریعہ قرآن تو ان سے جہاد کر بڑا جہاد۔

دری مقام پر اللہ رب العزت کا پاک ارشاد ہے۔

”یا ایہا النبی جاہد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم (سورہ توبہ - سورہ تحریم)

ترجمہ۔ اے نبی کفار سے (باللسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کا حق ادا فرمایا اور عالم کو خدا کی ہدایت سے

بقیہ نور بنادیا اور امت مسلمہ کو نیا بتایا فرائض سونپ کر شریف لے گئے۔ کاشائے اسلام کی رونق

انہیں فرائض سے گمانہ نبوت کے جہد و جہاد سے قائم تھی اور فزون ادلی سے ہی فرائض کی ادائیگی کیلئے جہد و جہاد

دین کی اشاعت و سرسبزی کیلئے شاہراہ نبی قائم و دائم ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس شاہراہ کے داعی صحابہ کرامؓ بنے وہ

اپنے اپنے حلقہ رسوخ و دائرہ عمل میں خدا کے بندوں کو اس شاہراہ (اسلام) پر چلنے کی دعوت دیتے رہے

اور آئندہ آنے والے لوگ ان ہی صحابہ کرام سے اس شاہراہ کا نشان لیتے رہے۔ ناجدا مدینہ نبی اکرمؐ کو

قول : اھمابی کالجوم : یہی نجوم ہدایت اس راہ پر چلنے والوں کیلئے روشنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو تاقیامت جاری و ساری رکھنے کیلئے جمعہ وجہ اور علی کو کششیں کرتے رہے یعنی جس طرح خدا نے وحدہ لاشریک کی طرف بلانا تمام پیغمبران خدا کا ایک نقطہ نظر تھا اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ساری امت کو چلانا اھمابی رسول کا اجتماعی نقطہ نظر تھا۔

قرآن مجید میں اللہ کے بندوں کی دعاؤ کا تذکرہ یوں ہو رہا ہے :

» وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا « (الفرقان - ۷۷) ترجمہ - اے اللہ ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعا کا مطلب یہ تحریر کیا ہے - ائمہ لقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنامنہ بعدنا - (صحیح بخاری جلد ۹) ترجمہ - اے اللہ ہمیں ایسے پیشوا بنا کر ہم تو پیچھے اپنے ائمہ کرام کی پیروی کریں اور ہمارے بعد آنے والے ہماری پیروی کریں اور ہمارے ساتھ مسلسل ہوں۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے پیشرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو راہ پائی تھی - جس پر آپ خود بھی بعینہ چلتے رہے اور دوسروں کو بھی اسی پر چلاتے رہے - آپ اسی شاہراہ میں سلامتی کی راہ بتلا رہے ہیں اور متنبہ فرما رہے ہیں کہ عصری تحریکات سے متاثر ہو کر اپنی اس شاہراہ کو چھوڑ دینا یا اس میں ترمیم کرنا گمراہی کی راہ ہے۔ یہی اسی میں ہے کہ اس راہ مسلسل پر چلیں اور ہر شعبہ حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے خاکے کا اتباعی رنگ بھریں چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو مخاطب کر کے بلغیانہ ہدایت کرتے ہوئے فرمایا -

» إِنْكُمْ أَتَبُوا الرَّحْطَ أُمَّتُ لِقَتْدَى کَلِمَ النَّاسِ (فُوطَا اِمَام مَالِک - کتاب الحج)

ترجمہ - اے (اھمابی رسول) بیشک تم لوگوں کے امام ہو لوگ تمھاری پیروی کریں گے پس تمھیں بڑا محتاط رہنا چاہئے اور ہر اس بات سے بچنا چاہئے جو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی نہ ہو۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اھمابی رسول کو آسمان ہدایت کے

ستارے جانتے تھے کہ جو انھیں سے کسی کی پیروی کرے وہ ہدایت پا جائے۔ وہ لوگوں کو اسی راہ پر لانا

اور اسی پر چھوڑنا چاہتے تھے جو اپنے مابعد اور ماقبل سے مسلسل ہو۔

حضور حتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل دین کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت اور انسانوں کی رہنمائی کا کام قرآن و حدیث کی روشنی میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کاندھوں پر آیا اور انہیں اصحاب رسول کے زمانہ میں تقریباً سارے عالم میں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔
برصغیر جو کہ اس وقت کئی حصوں پر منقسم ہے تاریخی حیثیت سے بڑی اہمیتوں کا حامل ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو سب سے پہلے خلیفۃ اللہ اور پیغمبر ہیں جب زمین پر ان کا درود ہوا تو اسی خط میں تشریف فرما ہوئے۔

حضور اکرم جب سلسلہ نبوت کے کمال و اتمام کیلئے نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کے ذریعہ جب دنیا کی پھیلی ہوئی ضدالت و فکراہی کی تاریکی میں نور ہدایت کی شعاعیں بکھریں اور مشعل اسلام کے دنیا منور ہونے لگی تھی اسی ابتدائی دور میں یہ خطہ بھی نور اسلام سے منور ہوا یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد سعادت میں ہی یہاں نور اسلام کی کرنیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ بعض مورخین کے مطابق حضرات صحابہ کرام کے دور میں یہاں مشعل ہدایت جل چکی تھی اور بعض لوگ نوجوان مسلم غازی لشکر ابن قاسم کی جہادی مہم کو اسلام کے پہنچنے کا سبب مانتے ہیں۔ بہر کیف یہاں قدرت نے مشعل اسلام کو فروزاں رکھنے کا ہمیشہ اہتمام فرمایا۔ بعض مورخین اسلام کے مطابق ابتدائی دور کے بزرگوں میں شیخ اسمعیل محدث لاہوری شیخ سید علی چوری۔ خواجہ معین الدین چشتی اجپری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سرفہر دست ہیں۔

برصغیر کی پوری تاریخ میں جن سلاطین و ملوک کا ناکام خادم دین کی حیثیت سے ہاتھ بٹایا جاتا ہے انہیں سلطان محمود غزنوی ان کے بیٹے سلطان محمود غزنوی۔ غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں انہیں غزنوی و غوری خانوادوں کی ترکتازوں اور ایک و الشمس کی مرکز آرائیوں نے اقصائے ہند تک اسلام کا پرچم لہرایا تھا دوسری طرف علماء و صوفیہ کرام کی کاوشوں نے مساکین ہند کیلئے اسلام میں داخلہ کا دروازہ کھول دیا تھا اور جب بھی مہلشن اسلام کو باہمال کرنے کی کوئی نازیبا حرکت عمل میں آئی تو یہی بوریہ نشین

و مسند نشینان علم و فقر مسینہ سپر ہو کر سامنے آئے اور اندر دنی و بیرون سر کو بیوں اور فتنوں کو دبا کر ملکشن اسلام کے ننھے پودے کی آبپاری کی اور اسکی تازگی کو قائم رکھا۔ انہیں اصحابِ فضل و کمال حضرات صوفیائے کرام علمائے ربانیین کی سعی و جدوجہد سے اسلام کا ننھا پودا پھلتا پھولتا سر زمین ہند میں تناور درخت بن کر سارے خطے پر چھا گیا پر اپنے لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی دو چار ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ جو الف ثانی کے مجدد ہیں جنہوں نے مقامِ تجدید پر فائز ہو کر دعوت و عزیمت کی دنیا میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ جب اسلام بینہ ارتقوتوں نے سر اٹھانا شروع کیا جن میں بت پرستہ لہجہ سب سے آگے تھا لیکن اس سے زیادہ اسلام کیلئے جو نازک موڑ آیا وہ تھا اکبر کا دین الہی۔ اس کا موجب اکبر بادشاہ اپنی بے راہ روی اور دورئی اسلام سے۔ دین اسلام کے خلاف سر اٹھایا تو اس خود ساختہ دین کی دھجیاں مضافائے آسمانی میں بکھیرنے اور اس کا قلع قمع کرنے والے میپ گڈری پوش اور فقر و غیور کے مالکِ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مجاہدانہ کردار و فکر و عمل سے اکبری فکر و نظریات کا ایسا رخ تبدیل کیا کہ جن لوگوں سے پورا پورا خدشہ ہو چکا تھا کہ ان کی نسلیں اسلام کو اس ملک سے باہر کر دیں گی۔ وہی اسلام کے خادم اور اس کے محافظ بن گئے ان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جنہوں نے دینِ مبینہ کی آبپاری کیلئے علمائے دین اور مجاہدین اسلام کا بھرپور تعاون کیا۔

اسلام کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن پاک کے ذریعہ اعلان فرمایا۔

”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ“

ترجمہ۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دیکر بھیجا تاکہ اس کے دین کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کر دے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک۔

”الاسلام یعلموا ولا یعلیٰ علیہ“ ترجمہ۔ اسلام سربلند اور غالب ہو گا اس پر کوئی (دور) دین غالب نہیں ہو سکتا

جس دین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پھیلانے اور اسے غالب کرنے کا ارادہ کر لیا ہو اسے کوئی کیا مٹا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت کیلئے دشمنان اسلام کے گھروں، خانہ آلوں، قبیلوں اور علاقوں سے خود ایسے افراد کو کھڑا کرنا ہے جو دین اسلام کی بقا و تحفظ کیلئے جان و تن کی بازی لگا کر اس کی آبیاری اور نگہبانی کے فرائض انجام دیتے ہیں جن کی مثالیں تاریخ اسلام میں بھری پڑی ہیں۔

اسلام کے خلاف الحاد و مادیت اور خدا فراموشی کا جب بھی کوئی دریا سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی صفات رحمت و ربوبیت نے دین کو زندہ و محفوظ رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسکے محافظ و حامل پیدا فرمائے۔ بحرِ ظلمات میں غوطے کھانے والی قوم کے پیچھے علماء و صوفیائے ربانیین کا وجود اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے اسی فیصلہ کا نتیجہ ہے۔ قرآن اولیٰ کا ذکر ہی کیا جن میں علوم قرآن و سنت اور حدیث کے چشمے اہل رہے تھے قرونِ متوسطہ یعنی چوتھی صدی سے اٹھویں صدی ہجری تک کو اگر لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں خطہ حجاز، شام، عراق، عرب، مصر، اندلس، ماوراء النہر اور خراسان و غیرہ کے علاقے کتاب و سنت اور دیگر علوم دینیہ سے بکثرت بہرہ ور ہیں اور ان میں خادمانِ اسلام کی ایک بڑی تعداد بلند پایہ حفاظِ حدیث۔ مائتہ نازائتہ۔ ناقدینِ رجال اور عاملینِ دین کا ٹھکانہ بن کر رہا ہو اسقدر نظر آئیگا۔

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد سے بارہ سو سال تک عیسائیت پر زوال آتا رہا اور کفر و شرک کا بازار بھی ماند پڑتا رہا۔ یہود و نصاریٰ کو اہل اسلام کے ہاتھوں شکست کھا کر ہندوستان سے لیکر قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں تک ہزاروں میل کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں دینا پڑا۔ اقتصادی میدان میں بھی مسلمان ناجروں نے ہر محاذ پر باطل طاقتوں کو شکست فاش دی اور کاروانِ اسلام اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ اطرافِ عالم میں پھیلنا لگا اور ہر خطہ عالم پر شیعہ ہدایت کی شعاعیں بکھیرتا ہوا غربت کدہ ہند کو بھی مستفیض کرتا رہا۔ اس خطہٴ رض میں دین کی صداقت شفاف کرشی تاریکی میں ڈبی انسانیت کو منور کرتی رہی۔ بادشاہ۔ سلاطین و امراء انہیں کرنوں کو اپنے دلوں میں بسا کر حکما اقوام ہند کے دلوں پر حکمرانی کرتے رہے اور انہیں کے ذریعہ مدارس و مساجد اور خانقاہوں کا ایک جمال بچھایا جس کا

لاستناہی سلسلہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گیا جسے ضبط تحریر کرنا اگر بعید نہیں تو مشکل ضرور ہے صرف دہلی، آگرہ، لاہور، ملتان، گجرات، لکھنؤ، خیرآباد، بنگال، مدراس وغیرہ علاقوں میں ہزاروں مدارس قائم ہوئے اور انہیں سلاطین و امراؤں کی وقف جائیدادوں کے ذریعہ پر دان چڑھتے رہے۔ تاآنکہ ایک دور ایسا بھی آیا کہ دینی و تعلیم و تربیت کیلئے یہ زمینیں سر زمین بن کر دکھائی دینے لگیں اور اسلامی تبلیغ و اشاعت کیلئے اسکی وسعت تنگ ہونے لگی۔

زمانے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نفعات ہیں وہ ایک قوم کو خاص ترجیحی مآثر عطا کرتا ہے اور دوسری قوم کو دیگر خصائص سے مشرف کرتا ہے کبھی انہیں قوموں کو خصائص سے روک دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

» اور ان ایمان کو ہم بدلتے رہتے ہیں لوگوں میں « (قرآن)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

» یہ اللہ کی سنت ہے جو گزشتہ چکی ہے اس کے بندوں میں « (قرآن)۔

جب تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی دہلی کا تخت مسلمانوں کے اقتدار سے خالی ہو چکا تھا مغل حکمرانوں کے شان و شوکت کا آخری چراغ بہادر شاہ ظفر اقتدار تخت پر حکومت مغلیہ کے سانس کی آخری ہچکی لے رہا تھا جس سے صرف ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا جو چراغ کی نشاندہی کر رہا تھا بد قسمتی سے وہ بھی بجھ گیا یعنی غربت کے غلبہ داروں کا منافقانہ کاروباری ذریعہ اپنے اقتدار کا اپنی پنجہ مضبوط کر کے اپنی شاہراہ چالوں سے اس رہی سہی مغل حکومت کی آخری میراث کو ختم کر دیا۔

۱۸۳۸ء میں الیڈن انڈیا کمپنی کی حکومت نے جواب مکمل طور پر ہندوستان

میں ہر سرائے اقتدار تھی۔ مدراس عربیہ کی تمام اوقاف کو بحق سرکار ضبط کر لیا جس کے سبب ہر شعبہ حیات میں افراط فری۔ بے راہ رومی اور بستی نے جنم لینا شروع کیا خصوصاً مذہب اور دینی تعلیم کے معاملہ میں اسکی حالت اور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ سرکاری حمایت اور پناہ کے خاتمے کی وجہ سے تمام درسگاہوں کا حال روز بروز

ابتر ہوتا جا رہا تھا۔ عوامی چندہ جو کہ اس کا آخری ذریعہ تھا جس کے سہارے یہ درس گاہیں چلائی جاسکتی تھیں۔ انگریزوں کے ظلم و جبر نے مسلمانوں کے اقتصادی حالات اتنے برے کر دیئے تھے کہ ان کی مفلوک مالی نے انھیں اس لائق ہی نہ چھوڑا کہ وہ اس مقصد عظیم کی بقا کے بارے میں سوچ سکیں اور ان کے ذریعہ یہ کام لیا جاسکے۔

دوسری طرف انگریزوں نے ذہنی طور ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کو مغلوب کر کے اپنے سانچے میں ڈھالنے کیلئے قدیم ہندوستانی و اسلامی نظام تعلیم کو ختم کر کے جدید طرز تعلیم کی بنیاد کا اہتمام شروع کیا اور انھوں نے تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا خواب دیکھنا شروع کیا اور اس کی تعبیر پوری کرنے کیلئے ملازمتوں، نوکریوں کی پیشکش کے علاوہ نہایت مذموم اور گندی وسطی حرکتوں پر آکر چھوڑ کر لوں کو پیش کرنے لگے۔ ان سب کے علاوہ سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک طریقہ جو انھوں نے تجویز کیا وہ یہ تھا کہ قرآن پاک اور اس تعلیم کو یکسر مٹا دیا جائے تاکہ ایمان و ایقان کی وہ بختگی جو مسلمانوں کو حاصل ہے بالکل ختم ہو جائے اور پھر عیسائیت میں داخل ہونے کا راستہ سہل اور ہموار ہو جائے لہذا انگریزی تعلیم کو اس قدر عام اور رائج کر دیا جائے کہ کوئی شخص اپنے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ پائے۔

قرآن کریم جیسی جامع و مکمل۔ بے نظیر اور انقلاب انگیز کتاب کی بے پناہ طاقت و قوت سے خائف اور بدحواس ہو کر برطانیہ کا بڑا ذمہ دار وزیر اعظم کلیڈ اسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن کریم کے بارے میں بلند آواز سے کہا تھا کہ "جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی"۔

انگریزوں نے قرآن کریم کو مٹانے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو ہندوستان سے تار و پوز کرنے کیلئے ایسے ایسے حربے استعمال کئے کہ شیطان لعین بھی دگر بخود ہو گیا۔ افسوس کہ اسلامی شعائر غیر محفوظ اور رو بہ زوال ہونے لگے حتیٰ کہ سادہ لوح مسلمان اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر (پناہ نامحمد کرشن۔ علی چند وغیرہ رکھتے تھے۔ انگریزوں کی عیاری اور شاطرانہ چال سے موجب نما دوست بھی

اسلام سے ہر سر پہکار ہو گئے نتیجتاً مصیبت و جہالت کی گنگھور گھٹائیں اٹھ اٹھ کر مسلمانوں کو محیط کرنے لگیں
 جاہل مسلمان ہندوؤں کی روش اور ان کے رسم و رواج کے ایسے دلدلہ ہوتے گئے کہ ان میں ان کو جس
 کردار کوئی ٹٹاتا وہ لٹے اور جس پہلو ان کو کوئی بھٹاتا وہ بیٹھے۔ دین سے غفلت اور بے فکری اگر کو
 مسلمانوں پر اس تر چھا گئی جس طرح موسم برسات میں سیاہ اور گھنے بادل سورج کو ڈھانپ کر دن کو
 رات کی شکل دیدیتے ہیں۔ گویا دلوں کی کایا کچھ ایسے رنگ میں رنگی ہوئی تھی کہ ہر بادی کا نام شادی۔
 جہل کا نام علم۔ شرکانہ و کافرانہ رسم و رواج کا نام دین۔ خرافات اور شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامات
 تجویز کر رکھا تھا۔ جہالت و گمراہی کا طوفان ہدایت و رشد کی آہنی دیواروں سے ٹکراتا اور دادیلا پاتا ہوا
 چلا جا رہا تھا۔ علم شریعت کی تحقیق اور سنت نبویؐ کی تذلیل و توہین بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ علمائے
 حق سے عوام اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز کرنے لگے۔ بدعات و محدثات کو جزو اسلام سمجھا جانے لگا
 کہیں نیچریت سے اٹھارتی تو کہیں اہل بدعت کفر و شرک کی مفلس منعقد کرتے۔ کہیں رفض و تشیع کا غلبہ
 ہوتا تو کہیں ڈھول اور سارنگی کھڑکتی اور قوالیاں ہوتیں۔ کہیں بازاری عورتوں کے گانے سنائی دیتے اور
 وجد و حال کی مفلس سچتیں کہیں تعزیر پرستی کا پردہ ہوتا تو کہیں حب جاہ و مال اور طمع نفسانی کی انگلیں
 شراب و شباب کے ساتھ جون بڑھتی۔ یہ جہالت و گمراہی کا راجہ ہر نئے دن کچھ زیادہ ہی مستحکم دکھائی دیتا
 وہ زمانہ ختم ہو رہا تھا کہ سنت نبویؐ یا حکم الہی کا اجرا ہو اب تو وہ روشنی جو مشرق کی خصوصیت تھی
 ختم ہوتی جا رہی تھی اور اس کی جگہ وہ روشنی آرہی تھی جو مغربِ بعثت تھی جسکی جلویں دہریہ۔ الحاد
 فطرت پرستی۔ نفس پروری اور خود غرضی پر دان چڑھ رہی تھی۔ انہیں خواہشات نفسانی نے نگاہوں
 کو بے نور اور دلوں کو بد ذوق بنا دیا تھا اب وہ انسان خال خال نظر آتے تھے جو اسلامی خد و خال
 کو پہچان سکیں غرضیکہ جن ہند میں ہر طرف خزاں کا در شرع ہو چکا تھا بھار رخصت ہو چکی تھی
 خوش آواز و خوش الحان پرندے داستانِ ماضی فراموش کر چکے تھے اور ان کی جگہ زاع و زغن کی
 مکررہ اور بھونڈی آوازیں نے لے لی تھی۔ اسلامی تہذیب و تمدن اور دینی قدروں کا وہ اجتماع

جن میں انسانیت۔ انسان دوستی۔ بلند جوہلیگی۔ عزم و عمل اور دیانت و امانت کے رنگ بھرے تھے۔ ہزاروں برس تک جو سپاہین اسلام تمام شعبہ حیات پر چھایا رہا۔ علم و فن اور تہذیب و تمدن کے خزانے سے لوگوں کو گہر بار کرنا رہا یکسر معدوم ہوتا جا رہا تھا۔ برطانیہ کی تیزی و تندہی اپنے عروج پر تھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسکی انتقامی سازشوں سے شعائر اسلام کی بلند و بالا عمارتیں پستہ ہونے لگیں۔ دلی الٰہی تحریک کے انوار ٹٹنے لگے دین کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ شعائر اسلام ایک ایک کر کے ٹٹنے لگے اور باد مخالف دسوم سے اسکی تر و تازہ شاخیں پتھر مردہ ہونے لگیں۔

ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس کی روک تھام کا کوئی ذریعہ نہیں اپنایا گیا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس پھیلتی ہوئی گمراہی کے ابتدائی دور سے ہی علمائے اسلام نے بقائے اسلام اور حفاظت دین کیلئے تحریکیں اٹھائیں۔ مجدد الف ثانی احمد سرمنڈی کے نقش قدم پر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی و فکری طرز پر اپنی ذمہ داری محسوس کی اور مسلمانوں میں اصلاح احوال و رسوم کی ایک زبردست تحریک شروع کی۔ وہ مسلمانوں میں ایسی فکر مرتب کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور عظمت و وقار کی بحالی کا خیال پیدا کر سکیں اور تجدید ملت و احیاء اسلام کا احساس و شعور بیدار کر کے اپنے ماضی کو واپس لا کر مستقبل میں عظمت کی مضبوط عمارت تعمیر کر سکیں چنانچہ انھوں نے اسلامی تعلیم و اشاعت دین سے مسلمانوں میں ایک مستحکم جماعت پیدا کر دی اور مسلمانوں کے وقار و سطوت کی گرتی ہوئی عمارت کو بچانے اور اسکی بنیادوں کو خرابیوں سے محفوظ اور پائیدار کر دینے کی عملی طور پر سب لوہہ کوشش جاری رکھی اس سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر انھوں نے شاہ ایران کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی تلقین کی تاکہ عصمت اسلام سے کھینچنے والے استعماری عناصر سے یہ ملک محفوظ رہ سکے۔ آپ کے عین و در در میں نظر میں مسلمانوں کے اخلاقی۔ ذہنی اور فکری انحطاط پر اشک ریز اور زبان مسلمانوں کے مٹی انتشار پر ماتم کناں تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور رنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے

دارالسلطنت ہند دلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں وفات پائی اس ساٹھ سال کی مدت میں دس بادشاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے اور مختلف اسباب و علل کی بناء پر تخت سے نیچے آئے۔ عالم لوگوں کی نگاہیں تو صرف سیاسی مفاد و اقتدار جنگ پر تھیں لیکن شاہ صاحب کی عمیق نگاہیں اور ذہنی بصیرت مجدد الف ثانیؑ کے فکر کی اہمیت اور فردرت کی اندازہ شناس تھیں وہ تجدید احیاء اسلام کی دعوت اور مسلمانوں میں اسلامی کاہ کو مضبوط کرنے اور برٹش امپائر کے استعمار اور عفریت سے ملک و ملت کو بچانے کیلئے ایک زبردست انقلابی اقدام کی فردرت محسوس کرتے تھے۔ آپ کے دور حیات میں چونکہ ابھی دلی میں اسلامی سلطنت کا چراغ باقی تھا اور آپ اسے بہر صورت محفوظ دیکھنا چاہتے تھے پر آپ کی زندگی نے وفات کی اور آپ دنیا سے رخصت ہو کر مالک حقیقی سے جا ملے۔

شاہ صاحب کی وفات کے بعد ۳۵ - ۴۰ سال کی مدت میں مسلمانوں کا سیاسی زوال اپنی آخری حدوں کو پہنچ گیا۔ اسلامی کاہ کے تابوت میں آخری کیل بھی لگا دیا گیا۔ الیٹ انڈیا کمپنی کے مینیجر نے ۱۸۰۳ء میں ارکان سلطنت پر دباؤ ڈالا کہ ہماری ایک قرارداد کو منظور کرو۔

① مخلوق خدا کی ہوگی ② ملک بادشاہ کے قبضہ میں ہوگا ③ حکم الیٹ انڈیا کمپنی کا جاری ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جب اسکی خبر ہوئی تو آپ نے بادشاہ کی حمایت اور کمپنی کے مطالبہ کی مخالفت کیلئے عوام کو ابھارا لیکن اسیں کامیابی نہ مل سکی تو آپ نے ۱۲۱۸ھ میں ہندوستان کو دارالحرب ہو جانے کا فتویٰ صادر فرمایا اور اعلان کیا کہ تمام مسلمانوں پر انگریزوں سے جہاد کرنا فردری ہے۔

اس فتوے کے بعد عوام میں ایک نیا جوش و ولولہ اور ایمانی قوت بیدار ہوئی جنہوں نے علماء کے دوش بدوش چل کر انگریزوں کے خلاف جنگ کیا اور تحریک آزادی کو کامیاب بنانے کیلئے ہر ممکن

۱۔ مولانا ابوسلمان شاہجہاں پوری - مائتہام الرشید لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ عزیزیہ۔

تعاون پیش کیا۔ اس جنگ آزادی کا ہر ایک سپاہی اپنے دین اسلام کا پرستار اور مذہب کا فدائی تھا۔
 حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے
 ایماء پر سید احمد شہیدؒ نے عملی بنیادوں پر ایک جماعت تشکیل دی جس کے رکن رکن مولانا عبدالحی
 اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ جس وقت سید احمد شہیدؒ نے ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل
 سے جھڑانے کی مہم شروع کی تو تقریباً دس ہزار ہندو اور مسلمانوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ آپ
 نے اس جمعیت کے ساتھ صوبہ سرحد کو اپنی تحریک کا مرکز بنا کر احیاء ملت کی سعی شروع کر دی اور انگریزوں
 کی سرکوبی کیلئے آگے بڑھے لیکن افسوس کہ اپنے ہی لوگوں کی ناعاقبت اندیشیوں کا وجہ سے بالاکوٹ کے
 مقام پر آپ کے ساتھ شاہ اسماعیلؒ نے بھی جاں شہادت نوش فرمایا جسکی بناء پر یہ تحریک منجمد اور مجاہدین کی
 قوت و جمعیت منتشر ہو گئی پر علمائے کبار نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی بکھری ہوئی جمعیت کو منظم کرنے اور بامال
 قوتوں کو بحال کرنے میں ہمہ تن مصروف رہ کر تحریک آزادی کو مضبوط کرتے رہے تا آنکہ ۱۸۵۷ء کا زمانہ آگیا۔
 ۱۸۵۷ء میں حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ اب لوگوں کیلئے میدان
 حریت جہاد میں کود پڑنا ناگزیر اور مزید صبر کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ بالآخر زبردست معرکہ کارن پڑا۔ مجاہدین
 آزادی انگریزوں کے دوش بدوش پڑے رہے۔ اس انقلاب میں علماء کا گروہ سب سے آگے تھا جو
 نہ کہ قواعد حرب کا کما حقہ واقف تھا بلکہ جدید آلات و حرب سے بالکل نا آشنا اور اس کے حصول میں
 بے دست و پا تھا۔ اس کے باوجود جوش ایمانی اور نصرت اللہ کے سہارے نہ یہ کہ صرف میدان میں اثر
 بلکہ مجاہدین آزادی کی قیادت و سیادت بھی سنبھالی۔ وہ خاک و خون میں تڑپے لیکن اسلام کے
 عشق اور ملت کی ملحوظی کی آزمائش میں کھڑے اترے۔ تھانہ بھون کے مقابلے پر علمائے اسلام کو ایک
 مخصوص موقع ملا جسکی قیادت حاجی مولانا امجد الدین مہاجر مکیؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا
 رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھوں میں تھی جنھیں مقدمۃ الجیش کی حیثیت حاصل تھی۔ یمنہ اور میسرہ پر

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔

۲۔ ” کے بھتیجے تھے۔ “

دیگر علمائے کرام مقرر تھے جن کے جھنڈوں کے سائے میں مجاہدین آزادی کی زبردست تعداد اکٹھی تھی۔
انگریزوں کے جدید اعلیٰ اور مجاہدین اسلام کے آلات قدیمہ کے ساتھ اسلام کی روشنی نے مساوات پیدا کر دی۔
ہزاروں مجاہدین اس معرکہ میں کام آئے لیکن انگریزوں کو شکست دیکر انھیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور
تھانہ بھون میں ایک آزاد اسلامی حکومت قائم کر لی۔

تھانہ بھون سے شکست کھانے کے بعد انگریزی فوج مہارنپور سے شمال کی جانب
روانہ ہوئی تاکہ مجاہدین آزادی کی سرکوبی کر سکے لیکن راستے میں ہی شمالی کے پاس مجاہدین نے اپنی کین گاہ بنا رکھی
تھی جو درختوں کے آڈ سے فوج کا انتظار کر رہی تھی انگریز فوج کے پہونچنے کے بعد ان پر حملہ آور ہوئی اور انھیں
شکست دینے کیلئے جان و تن کی بازی لگادی اور ان کے توپ و تفنگ کا سامنا لاطھی اور پتھر سے کیا اس سے
قبل کہ انگریزوں کی مشین گن سے برستی گولیوں کی آواز فضا ئے آسمان میں بلند ہوا سے اپنے آلات قدیمہ
کے ذریعہ خاموش رہنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ میدان بھی اپنے ہاتھ میں لینے ہوئے شمالی پر قبضہ کر لیا۔
لیکن ان کا یہ خاک و خون میں تڑپنا اور معرکہ کو سر کر لینا بھی ملت کی قسمت کو نہ بدل سکا کیونکہ اسی اثناء
خبر ملی کہ دہلی میں مجاہدین پسپا ہو گئے اور جنگ آزادی ناکام رہ گئی جسے سنکر یہاں بھی مجاہدین آزادی
کے قدم ڈگمگانے لگے لیکن ابھی جوش باقی تھا اور آگے بڑھنے کا حوصلہ موجود تھا لیکن دار و رسن اور طوق و
سلاسل کا سلسلہ شروع ہو گیا لہذا علماء نے جنگ کا جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا اور میدان سے مجاہدین
کو پیچھے ہٹالیا۔ اب مسلمانوں کو اس نئی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جس میں ملک کی جیلوں کو ٹائڈین و
مجاہدین کے ساتھ آزمائش گاہ عشق و ملت اور بیرون ملک کو نمائش گاہ جذبہ حریت میں تبدیل کیا
جانے لگا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار کر لئے گئے (بعدہ چھ ماہ پر رہا ہوئے) مولانا حاجی امدا اللہؒ ہجرت
کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ روپوش ہو کر جمعیت کے شیرازے کو مجتمع کرنے اور
ان میں مدد ایمانی اور جنگ آزادی کا نیا جوش پیدا کرنے میں لگ گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی مغربی تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرانے اور غلامی سے چھٹکارا لیکر آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کی ایک جہد مسلسل تھی۔ ہندوستان کا ایک ایک بچہ انگریزوں کی استعماریت اور صیہونیت کے مضر اثرات سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کا طبقہ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کیلئے علماء کرام کی انقلاب آزادی کی پر سوز اور دلپذیر آواز پر لبیک کہتا تھا جس سے انگریز قوم کو کم از کم اتنا ضرور معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں کسی دوسری قوم کی غلامی قبول نہیں کر سکتی لہذا اسی نقطہ نگاہ سے انھوں نے اپنی دفعہ کردہ پالیسی میں تبدیلی پیدا کی اور یکبارگی مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر ان کے سامنے نمودار ہوئے اور عام معافی دہی۔ جن ظالم انگریزوں نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اور ہزاروں کو

تختہ دار پر کھنچو کر ہندوستان میں اپنے صیہونی پنجے گاڑے تھے اس طرح مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے بن سکتے ہیں۔ دراصل اس کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور زبردستی سے ہاتھ نہ لگے ان کے ذہنوں کو بدلا جائے جسکے لئے سب سے مؤثر حربہ یہ ہے کہ ان کے نظام تعلیم میں کچھ خاص انقلابی تبدیلیاں پیدا کی جائیں تاکہ مغرب کی ہمہ جہتی اور بالادستی کا سکہ بیٹھ جائے اور اس بالادستی سے مرعوب ہو کر اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں اور وہ اپنے دینی اقدار و درایات، تہذیب و تمدن، ثقافت و کلچر اور تابناک ماضی سے رفتہ رفتہ بے خبر ہو جائیں اور اپنے آپ کو اتنا فراموش کر دیں کہ انھیں یہ یاد ہی نہ رہے کہ کبھی ان کا اپنا بھی ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے وجود تھا۔

لارڈ میکالے نے اسی مقصد کے تحت ہندوستانی باشندوں کیلئے ایک نئے نظام تعلیم کی سفارش کی اور ایک طویل یادداشت مرتب کی جس میں اسلامی اور معاشرتی علوم کا پوری ڈھٹائی سے مذاق اڑایا اور مسلمانوں و علماء کو پر بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے آگے لکھا ہے۔

”بس ہمیں اس وقت ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے بیچے ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس دہشت حکومت کر رہے ہیں

وہ طبقہ ایسا ہو جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو۔ مگر ذوق سلیم۔ طرز فکر۔ اخلاق اور فہم و فراست کے اعتبار سے انگریز ہو۔

لارڈ ولیم بنٹنک ۱۸۲۸/۱۸۳۰ء کے دور حکومت میں جب سرکاری مدارس کے قیام کی وسیع پیمانہ پر ضرورت محسوس کی گئی تو شروع میں انگریزوں کا خیال یہ تھا کہ شرقی زبان میں تعلیم دی جائے لیکن انگریزوں کے انتہا پسند طبقے نے جن میں پادری صدف اول تھے اسکی مخالفت کی اور انگریزی زبان میں تعلیم دینے پر زور دیا اور یہی مطالبہ منظور کر کے اسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی مسلمان اور ہندو عیسائیت کے قریب ہونے لگے۔ فرانسیسی مشرق گارہاں و تاسی نے یہ بات اپنے خطبات میں کچھ اسطرے لکھی ہے۔

» ہندوستان میں یورپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر وہ ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے مذہبی اصول سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔^۱

انگریزوں کی دوسری پالیسی یہ تھی کہ عاک ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ جاہل رہیں ان کا خیال تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ ہمارے اقتدار کیلئے خطرہ بن جائیں گے اسلئے تعلیم کا انتظام کیا بھی تو صرف عیسائیت کی تعلیم تک محدود رکھا اعلیٰ تعلیم کا بندوبست ان کیلئے بالکل نہیں تھا۔ رگول میں عیسائیت کی تعلیم ہوتی تھی اور معصوم بچوں کو عیسائیت سے متاثر اور انکے آبائی مذہب سے بینہ کر دیا جاتا تھا حد تو یہ کہ امتحان میں صرف عیسائیت کے مطابق مذہبی سوالوں کا صحیح جواب دینے والے بچوں کو انعام سے نوازا جاتا تھا۔^۲

اسکولوں اور کالجوں میں انجیل کی تعلیم بڑے اہتمام سے ہوتی تھی جس کا اعتراف سرفریدرک ہیلڈ نے

عوام کے سامنے اس طرح کیا تھا۔

» میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انکے ہندوستان کے کسی اسکول میں انہی نہیں ہے۔^۳

۱۔ خطبات گارہاں و تاسی۔ صفحہ ۸۰۔
۲۔ خورشید مصطفیٰ رضوی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ صفحہ ۱۰۱۔
۳۔ سید طفیل احمد منگلوری۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ صفحہ ۱۴۱۔

ہندوستانی باشندوں کی اکثریت ہندوہوں یا مسلمان ہمیشہ سے مذہبی اقدار و جذبات کی حامل رہی ہے۔ لیکن انگریزوں نے ان مختلف فرقوں کو آپس میں گتھم گتھا کر دیا اور معصوم بچوں کے ذہنوں پر عیسائیت کی فکر مسلط کرنے کیلئے اپنی مذہبی تعلیم کا تمام حربہ استعمال کیا۔

”یہی وجہ تھی کہ سرکاری اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے خواہ وہ ہندوہوں یا مسلمان اپنے آباؤ اجداد کے دین سے بیزار معلوم پڑتے تھے“

انگریزوں نے بالخصوص مسلمانوں کو ذہنی طور پر مغلوب کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنانے کی جو سازش کی تھی وہ حقیقتاً اپنے اسی اقدار کو منہاجلا دینے کیلئے تیار کی تھی جو آزادی کی مختلف تحریکوں کی بناؤ پر ہر وقت ڈالنا ڈول رہتا تھا اور جسکی حفاظت کیلئے نوپ و تنگ کی طاقتیں ناکام ہو چکی تھیں۔ تعلیم کا حربہ ان کے لئے کارگر ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا عام طبقہ تعلیم کے نام پر اس سے قریب تر ہونے لگا تھا۔

افسوس کہ مسلمانوں کا ستارہ ایک مرتبہ پھر گردش میں مبتلا ہو گیا۔ افسوس یہ نہیں کہ مجاہدین نے میدان جنگ میں شکست کھائی اور جذبہ حریت کے میدان میں پورے نہ اترے۔ ملت سے ان کا عشق خاک تھا یا سینہ دوسر کی آزمائش میں ناکام رہے۔ شکست وہ نہیں جو دشمن نے میدان میں دی اصل شکست یہ تھی کہ اس نے ہمارے ذہن و فکر کو مغلوب کر لیا۔ اگر جنگ میں ایک سپاہی کی تلوار ٹوٹ جائے تو دوسری تلوار اسے مل سکتی ہے لیکن اگر جذبہ حریت فنا ہو جائے اور سرفروشی کی تمناؤں کا کارواں لٹ جائے تو پھر دوسرا سپاہی کہاں سے آسکتا ہے۔ اس نازک موڑ پر المناک اور غم انگیز پہلو یہی تھا کہ سپاہی کی تلوار نہیں ٹوٹی تھی بلکہ اس کا جذبہ حریت فنا ہو چکا تھا اور سرفروشی کی تمناؤں کا فائدہ لے لیا تھا۔ مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ہم اپنی آزادی فنا کر چکے ہیں اور ہم پر ایسی قوم کو مسلط کر دیا گیا ہے جو ہماری سیاست پر ہی نہیں بلکہ ہمارے مذہب پر بھی اثر انداز ہے۔ ذہنوں میں یہ احساس بھی جاگزیں ہو گیا کہ

ہم ایک شکست یافتہ قوم ہیں تنہا نصیب ہیں اب ہمیں مفتوحہ کی حیثیت سے ہی زندہ رہنا ہے۔ اس احساس نے وقت کا سب سے اہم مسئلہ پیدا کیا کہ کیا ہم اپنے آپ کو اس کے زیر اثر رہنے دیں۔ اپنی ثقافت۔ تہذیب اور تعلیم کو اس اجنبی قوم کی تہذیب و ثقافت اور تعلیم میں تحلیل کر دیں یا اپنے وقار و تہذیب اور دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کیلئے ان کے مقابلہ میں کھڑے ہوں۔ بالآخر علماء کرام نے انگریزوں کی ہلاکت آفرینیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کیلئے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا لائحہ عمل مرتب کیا۔ لیکن افسوس کہ ایک بڑا سانحہ یہ ہو گیا کہ دلی الٰہی جماعت دو نظریات میں تقسیم ہو گئی ایک گروہ نے حالات کے سامنے بھیاں ڈالنے اور اقتدار کے مدار سے وابستہ ادارہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

دوسرا گروہ جس میں زیادہ تر علماء شامل تھے ان کی پالیسی یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے دینی تعلیم پر زور دیا جائے اور اس سے عاک کیا جائے جو مغربی تعلیم سے الگ تھا۔ فقط علوم عربیہ کی حامل ہو چنانچہ اس نظریہ پر سختی سے عمل کرتے ہوئے ہر اس نظریہ کو ٹھکرا دیا جس میں تنکا برابر بھی مغربیت کا شائبہ تھا ان علماء کرام کی نظر میں ہر وہ چیز کھٹکتی جو انگریز پیش کرتے اور ہر اس چیز کو اپنے سے دور رکھتے جو سامراجی مفادوں سے آتی تعلیم و تمدن۔ ثقافت و کلچر اور لباس کے علاوہ بھی ہر اس چیز سے نفرت کرتے جس میں مغربیت کی معمولی سی بھی بو محسوس ہوتی۔ علماء کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ انگریزوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جس سے انھیں موقع ہی نہ ملے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں میں اپنے خیالات و افکار ڈال کر ان کے ایمان و یقین کو متزلزل کر سکیں لہذا خالص علوم عربیہ اسلامیہ کی تحصیل کیلئے ایک مدرسہ کی بنیاد کا خاکہ مرتب کیا اور پھر دیوبند ضلع سہارنپور کی ایک چھوٹی سے مسجد سے اس کا آغاز فرمایا۔

اس مدرسہ کی بنیاد درحقیقت تجدید دین کی اجتماعی تحریک کا نقطہ آغاز تھا اصلاح امت اور بقائے اسلام کیلئے ایک مستحکم مرکز کا قیام۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں بعد غدر ہندوستان نے تھوڑا وقت گزار لیا تھا۔ مجموعہ حال کسے دیکھنے سے یوں نظر آتا تھا کہ اب علم دین کا خاتمہ ہے نہ کوئی پڑھ سکے نہ کوئی پڑھا سکے۔ بڑے بڑے شہر جو کہ مرکز اس دائرے کے تھے خراب ہو گئے تھے۔ علماء و پریشیان کتب مفقود۔

جمعیت ندامت اگر کسی قلب میں شوق علم اور طلب کی ہمت ہوئی تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے جس یوں
نظر آتا تھا کہ بیس۔ تیس برس میں جو علماء بقیہ حیات میں اپنے وطن اصلی جزیرہ کو سدھار جائیں
تب کوئی اتنا بتلانے والا بھی نہ رہے گا کہ دھوکے کتنے فرض اور نماز میں کیا واجب ہے۔ ایسی پریشانی اور
مایوسی اور ناامیدی میں فضل الہی نے جوش مارا اور رحمت خداوندی کا دریا امداد آیا اور قدرت کامل کا
ابر فیض موسلا دھار برسا جس نے اپنے بندگان مقبول کو اس کا گیدڑ بن متوجہ کیا اور اپنا ابر کرم اس مدرسہ
کی بنیاد میں ظاہر فرمادیا ہے۔

اس مدرسہ کیلئے جو حل تجویز ہوا اس کا ماحصل یہ تھا کہ ہمیں حکمِ دقت کی زبان اور
اس کے علوم کے بجائے اپنی زبان اور اپنے مذہبی علوم کی بقا و تحفظ کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ وہی مدرسہ ہے
جس کا نام دارالعلوم ہے جس کے بانیوں کا مقصد اسلام کی حفاظت کیلئے مضبوط اور مستحکم قلعہ کی تعمیر
کرنا تھا تا کہ اس کے ذریعہ مجاہدین اسلام پیدا کئے جائیں اور اسلام کو آنے والے خطرات سے بچایا جاسکے
جو چراغ ہزاروں برس تک ہندوستان میں جلتا رہا وہ لادینیت کی ہواؤں سے گل نہ ہونے پائے قوم کے
فوز و ہمال۔ الحاد و تشکیک کے کارخانوں میں جانے کے بجائے اسلامی ادارے میں پلے۔ بڑھیں اور پروان
چڑھیں اور مذہب اسلام کو اپنے ذہنوں میں راسخ کریں اور اپنے اعمال و کردار کو اسلام کے مطابق بناسکیں۔
جہاز مقدس میں قیام دارالعلوم کی اطلاع جب مولانا امداد اللہ بہادر مکیؒ کو دی گئی
تو ان کی زبان مبارک سے بے اختیار نکلا کہ اے اللہ اس ادارے کو اسلام اور علم دین کی حفاظت کا ذریعہ بنا۔
مجموعی طور پر دیوبند کے اس مدرسہ کی تحریک نے مایوس کن حالات میں امید کے چراغ
جلائے اور اس خوفناک ماحول میں اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جس نے مسلمانوں کی کمر ہمت توڑ رکھی تھی اور
بہت سے علماء حالات کے ساتھ مصالحت پر زور دینے لگے تھے۔ چنانچہ مدرسہ احمد خاں نے ایجوکیشنل کانفرنس
۱۸۸۶ء میں سالانہ اجلاس کے موقع پر فرمایا کہ اس وقت ہمیں ضرورت ہے کہ جس قدر ہو سکے ایک کثیر تعداد میں

۱۔ تقریر مولانا یعقوب نانوتویؒ جلسہ انعام ۱۳۱۳ھ۔ بحوالہ سید محبوب رضوی۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۴۳

ایسے نوجوانوں کی پیدائش جو ان علوم میں جو زمانے کی حاجتوں کیلئے ضروری ہیں سربر آوردہ ہوں۔^۱
دارالعلوم دیوبند نے ان حالات کا رخ موڑا۔ ہندوستان کے مایوس و
محبور مسلمانوں کی رگوں میں مذہبی زندگی کا خون دوڑایا۔ نئے عزم کی روح پھونکی اور اسلام مخالف
سازشوں پر سخت پہرے بٹھائے۔

۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام سے جس تعلیمی، دینی، روحانی اور
اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا تھا اس کے کئی انقلابوں اور درودن کی تکمیل مولانا مدنیؒ کی
ذات پر ہو کر ۱۹۵۷ء میں ہی اس کی انتہا ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اس کی ابتدا کی گڑی حضرت
نانونوئیؒ کی ذات تھی جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا۔ درمیانی گڑی حضرت شیخ الہند
مولانا محمود الحسنؒ تھے جنہوں نے اسے شباب تک پہنچایا۔ اور آخری گڑی حضرت شیخ الاسلام
مولانا حسین احمد مدنیؒ تھے جنہوں نے اسے انتہا کو پہنچایا اور درمیان ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک
مسوہر س کے عرصہ میں ایک دور اس تحریک کا مکمل ہو کر ختم ہو گیا حضرت مجدد کی ہستی
بادر روزگار، عزم ثبات، عہد مردانہ، اٹل ارادہ، علم و بصیرت اور ایمانی فراست کا ایک
تمیز کی پیکر تھی آپ نے آج کے دینی اور مادی دور میں جن دینی اخلاقی اور علمی اصولوں کا
دائرہ خاص و عام کیلئے وسیع کیا اور انسانیت کی جن قدروں کو اجاگر کیا دنیا ان پر ہمیشہ
فخر کرے گی۔ شیخ الاسلامؒ اسلامی علوم و معارف اور انسانی فنون و آداب کے علمبردار تھے

اور آپ کی ہمت ظاہری و باطنی سے ملک اور ملک باہر ہزاروں علماء و اسٹیمی امانت کے امین بن گئے جو اس مرکز علم و فن دارالعلوم دیوبند سے آپ کی بدولت نشر ہوئی رہی آپ اپنے اساتذہ و شیوخ کے ابتداء ہی سے معتمد علیہ اور مرکزِ توحید رہے اور بلا استثناء ان کے تمام اکابر و مشیوخ انھیں اعتماد و اطمینان اور امید بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے اس لئے آپ مختلف ماہر فن اساتذہ و شیوخ کی علمی و عملی یادگار تھے۔ قرآن و حدیث فقہ و تفسیر، خطابت و ادب منطق و فلسفہ کی بہارت اور ادب و مذاقہ آپ کے قول و فعل سے نمایاں رہی تھی آپ کی جامعیت نے علمی دنیا کو جو فائدہ پہنچایا اس پر صدیوں کا کام چھوٹا رہیگا اور دنیا اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھتی رہیگی۔

— — —

باب دوم

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

خاندان ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ اتر پردیش کے مشہور ضلع فیض آباد سے جالیں میل در مشرق میں دریائے گھاگھرا کے کنارے ایک زرخیز و مردم خیز قصبہ ٹانڈہ آباد ہے۔ یہ اپنے ملک کے ان تمام اہم مراکز میں شمار ہوتا ہے جہاں کپڑے کی صنعت صرف تجارت ہی نہیں بلکہ فن کی بنیادوں پر ترقی کرتی رہی۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی مسلمان ہے اور ان میں اکثریت اس جماعت کی ہے جس نے معاش اور معیشت کے لئے پانچ باقی کی صنعت میں ناکہ پیڑا کیا۔ یہ فنکار ہر زمانہ میں نئی نئی فنی اور صنعتی ایجادات کرتے رہے ہیں ان میں بعض خاندان و افراد ایسے بھی ہوئے ہیں جو ملک گیر شہرت اور اہمیت کے مالک ہوئے۔ خصوصاً یہ طبقہ فنکاری، وضع داری، دینداری، دیانند داری، شرافت اور تعلیم و تمدن و ذہانت جیسی اعلیٰ صفات سے منصف ہے۔ قصبہ میں ان کے علاوہ بعض مسلم طبقات بھی آباد ہیں جن میں مختصر گھرانے سادات و شیوخ کے بھی آباد ہیں جنہیں عوام د خواص میں عزت و احترام کا مرتبہ حاصل ہوا اور قدردانوں کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ انہیں میں بعض ایسی شخصیات بھی پیدا ہوئیں جو اپنی دینی سرپرستی، روحانی و ذہنی سیادت اور اخلاقی و معاشرتی تربیت کی بنیاد پر ملک گیر ہی نہیں بلکہ عالمی شہرت کی مالک ہوئیں۔ انہی خاندانوں میں ایک خاندان "شاہ نوریاں" کا ہے۔ آپ کا پورا نام شاہ نور الدین قادری چشتی سہروردی ہے۔ شاہ صاحب دلی اللہ، صاحب کشف و کرامات اور فنا فی اللہ بزرگ تھے آپ سلاطین مشرق جو نیور کے زمانہ عروج میں کسی دہرے ملک سے تقریباً پندرہویں صدی کے موداخر میں وارد ٹانڈہ ہوئے۔ ٹانڈہ میں آپ کی شہرت عاک فیض ہو جانے سے پوری خلقت کو آپ کی ذات سے شد و ہدایت ملی۔ آپ کا مسلسل نسب نواسہ رسول شہید کربلا سیدنا حسین ابن علیؑ سے ملتا ہے اور نیچے کی سترہویں پشت مولوی سید حبیب اللہ تک پہنچی ہے۔

سید حبیب اللہ کی ولادت محلہ ارداد پورہ قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ۱۸۵۷ء سے چار پانچ برس پہلے ہوئی۔ آپ کے والد ماجد سید بہر علی صاحب آپکی صغر سنی کے عالم میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے آپ کے والد محترم کے دو بھائی سید تیغ علی اور سید نواز شعلی بھی لا ولد ہی اس دام فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ آپ کے بھی دو بھائی تھے ایک بچپن ہی میں ذخیرہ آخرت ہوئے جن کا نام سید نجیب اللہ تھا دوسرے بھائی سید اشرف علی تھے جنکے دو صاحبزادے تھے سید ظہیر الدین اور سید بشیر الدین مرحومین سید بشیر الدین کے ایک صاحب زادے مولوی سید فضل الرحمن تھے۔ سید ظہیر الدین کے صرف ایک صاحبزادی تھیں جنکے لڑکے ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، مشہور و معروف اردو کے عظیم شاعر اور لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے صدر ہیں۔

مولوی سید حبیب اللہ صاحب یتیمی کی حالت میں پرورش پائے تھے آپکی والدہ اور دو بڑی والدہ اؤں پر اس کا بوجھ تھا۔ گھر میں کوئی مربی اور سرپرست نہیں تھا۔ بقول شیخ مدنی آپکی منجھلی دادی نے آپ کے والد کی پرورش چرخ کے ذریعہ سوت کات کر لی تھی۔

مولوی سید حبیب اللہ صاحب کے گھر کے معاشی، اقتصادی، علمی اور روحانی حالات بہت کمزور ہو چکے تھے چنانچہ انہیں حالات کی سختیوں، در ماندگی اور بیماری نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع نہیں دیے۔ اپنی ذاتی کوششوں کے سہارے اردو، فارسی اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی اور اپنی خداداد صلاحیت سے اتنی قابلیت اور دستگاہ حاصل کی کہ انشاؤں پر داری بھی مہارت پیدا کر لی اور فارسی زبان میں شعر کہنے لگے۔ آپ نے سرکاری اسکول سے مڈل اسکول کا امتحان پاس کیا اور پرائمری اسکول کی ملازمت اختیار کر لی۔ ابھی آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ آپکی بڑی والدہ نے اسی عمر میں آپ کی شادی سید اکبر علی کی بلند اقبال صاحب زادی نور النساء صاحبہ سے کرادی۔ اب آپ کی ضروریات بڑھیں تو آپکو ملازمت میں ترقی کی فکر ہوئی اسلئے آپ نے نائیل اسکول کا امتحان دیا

یہ اسکول پورے ملک اور دھرم میں معروف و معروف تھا۔ آپ نے یہ امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا۔ اس کے بعد ضلع انارڈ کے صنفی پور نصیبہ میں تیس روپیہ ماہوار پر مڈل اسکول کے پرنسپل مقرر ہو گئے کچھ دنوں کے بعد نصیبہ بانگر مٹو میں آپ کا تبادلہ ہو گیا چند سالوں بعد آپ نے اپنا تبادلہ اپنے جائے اصلی ٹانڈہ میں کرالیا۔ آپ اپنی لمبی خصوصیات - دینداری، دیانتداری، تقویٰ، پرہیزگاری اور پابندی اوقات و حسن کامراندگی کی بناء پر بہت ہی مقبول تھے۔ آج اپنی اہلیہ محترمہ حضرت شاہ فضل رحمان صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت تھے جن کی خاتقاہ مرجع خلافت تھی اور اپنی فیض رسائی، تعلق مع اللہ، تقویٰ و شہادت اور کشف و کرامات کے مسبب عوام و خواص میں مقبول تھے غیر مسلمین عوام اور عہدیداران حکومت بھی آپ کے حضور آکر فیضیاب ہوئے تھے۔ اسی خاتقاہ سے تعلق کے بعد مولوی حبیب اللہ کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا۔

۱۸۹۵ء میں آپ کے پیر درمشد کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمے سے مولوی صاحب کی دنیا اجڑ گئی۔ ارادے و عزائم ختم ہو گئے۔ ایک بار منجھل صاحب زادے مولانا سید احمد نے دیوبند سے آپ کو خط لکھا کہ اب ہندوستان رہنے کی جگہ نہیں رہی اب نو مدینہ منورہ چل بسے۔ آپ کے دل میں آگ تو پہلے ہی سے سلاگ رہی تھی عالم بائبل اولاد کا اشارہ پا کر عشق محمدی کی آگ بوری طرح مہر لگ اٹھی اور بالآخر پانچ صاحب زادے، ایک صاحبزادی، تین بیویاں ایک پوتا اور خود میاں بیوی کل پانچ افراد کا قافلہ مدینہ منورہ کے سفر ہر نکل پڑا اور راستے کی تمام دشواریوں اور مصیبتوں کو ہنسی خوشی جھیلنے ہو گئے دیار پاک مدینہ منورہ میں وارد ہوا۔

جائے ولادت و نام۔

جناب مولوی سید حبیب اللہ صاحب انارک ضلع کے قصبہ بانگر سٹو میں
سلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ اسی مقام پر حسین احمد مدنی کی ولادت ہوئی۔ آپ کا تاریخی ناکہ جرائد
رکھا گیا۔ آپ ابھی بالکل چھوٹے تھے کہ آپ کے والد محترم بانگر سٹو سے تبارک کرا کے آپ کی والدہ کے ساتھ اپنے
وطن ٹانڈہ چلے آئے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں ہوئی تھی۔

ابتدائی تعلیم و تربیت۔

زمانے اور خاندان کے دستور کے مطابق آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر قاعدہ
بغدادی سے شروع ہوئی۔ آپ اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔
”مجھ کو ہوش و حواس جب آئے تو میں نے اپنے آپ کو ٹانڈہ میں پایا۔ بانگر سٹو بالکل
یاد نہیں والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا بہت زیادہ اور غیر معمولی خیال تھا اور اسکے لئے والد مرحوم
بہت زیادہ سختی کرتے تھے ہر بچہ کو جبکہ وہ چار برس کا ہو جاتا تھا بڑھنے لکھنے کھیلنے بٹھا دیتے تھے اور نہ
بڑھنے اور سبق یاد نہ کرنے اور کھیلنے پر خوب مارتے تھے۔ اس لئے مجھ کو کھیلنے کا موقع صرف چار سال کی عمر تک
ملا ہے۔ جب اس عمر کو پہنچا تو والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور اس کے بعد سیارہ پڑھنا تھا
صبح ساڑھے نو بجے تک تو یہ قید اور پڑھائی گھر میں ہوتی تھی اور ساڑھے نو بجے کھانا کھا کر والد مرحوم کے
ساتھ اسکول جانا پڑتا تھا۔ اسکول الہ داد پور سے تقریباً ایک میل یا کچھ زائد درری ہر ہے۔ اسکول کی
تعلیم میں بھی مدرسین خوب مار پیٹ کرتے تھے اس وقت مجھ کو درجہ آٹھ میں داخل کیا گیا (اس زمانہ میں
درجوں کی ترتیب اس طرح تھی مڈل کلاس کو اول درجہ کہا جاتا تھا اور سب سے نیچے کا درجہ آٹھواں کہلاتا تھا)

چار بچے شام تک اسکول میں قید رہنا پڑتا تھا۔ اسکے بعد والد صاحب مرحوم کے ساتھ گھر آنا ہوتا تھا گھر پر بھی سخت قید تھی۔ باہر نکلنا، گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنا اسکی بالکل اجازت نہ تھی اور اگر کبھی غفلت دیکھ کر یا والد صاحب کی عدم موجودگی موقع پانر نکل جاتا تھا اور جب پتہ چلتا تو سخت مار پڑتی تھی۔ ایک بکری بھی والد صاحب اچھی نسل کی پال رکھی تھی۔ اسکول جاتے اور آتے ہوئے اس کو اور اس کے بچوں کو ساتھ رکھنا پڑتا تھا۔ گاؤں میں میرا ہم عمر لڑکا میرا ماموں زاد بھائی جواد حسین مرحوم تھا۔ موقع پانر اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیلتا۔ اس کے ساتھ کبھی کھیلنے کی خبر ہوتی تو مار پڑتی تھی۔ وہاں طفولیت میں ہر فن گولی کھیلنے کی نویت آئی اور وہ بھی چھپ نک کر۔ گاؤں میں بعض ہم عمر لڑکے اور بھی تھے مگر ان کے گھروں میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اعلیٰ عمل آٹھ برس وطن میں اس طرح قیام رہا اور اس میں باپ بچوں سیارے تک والد مرحوم سے اور باپ بچوں سے آخر تک والد مرحوم سے قرآن شریف ناظرہ پڑھنا ہوا۔ اس کے بعد آمدنامہ، دستور الصبیان گلستان کا کچھ حصہ مکان پڑھنا ہوا اور اسکول میں دہم تک پڑھنا ہوا اس وقت اسکول میں فنون اور کتب بہت زیادہ تھیں تمام اقسام حساب، جبر و مقابلہ تک، مساحت اور اقلیدس مقالہ اولیٰ تمام جغرافیہ عمومی و خصوصی۔ تاریخ عمومی و خصوصی، مساحت عملى۔ تحریر، املا، شکستہ کھنا اور پڑھنا اور دو کورس دیگر سب اس عمر میں یاد اور مشق کر چکا تھا۔ اور ہر چیز میں اس قدر مہارت ہو چکی تھی کہ از ہر بخوبی جواب دے سکتا تھا۔ تیرہواں سال عمر کا شروع ہوا دونوں بڑے بھائی دیوبند زیر تعلیم تھے۔ اب ہم مکان پر اس حیثیت سے آزاد ہو گئے کہ ہم کو ڈھونڈ کر گھروں میں سے نکال لانے اور والد صاحب کے سامنے پیش کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ طبیعت میں کھیل کود کا شوق تھا ہی جہاں والد صاحب نے کسی لڑکے یا کسی کو بلانے کیلئے بھیجا تو اسے رنجاک دیا اور ماموں صاحب کے مکان میں گھس گئے اور جواد حسین مرحوم کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ والد صاحب نے بہت زیادہ مارا پیٹا بھی مگر بے سود معلوم ہوا۔ دو چار دن مار پیٹ کا اثر رہا پھر وہی کھیل کا شوق سوار ہوا۔ بالآخر والد صاحب نے لے کر لیا کہ اس کو یہاں نہ رکھنا چاہئے

اور دیوبند ہی بھیج دینا چاہئے چنانچہ بھائی صاحبان کے جانے کے تین ماہ بعد جناب منشی خیر الدین
ٹٹالوی کے ساتھ دیوبند بھیج دیا۔

آغاز تعلیم دارالعلوم دیوبند: ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۶ء

اد اہل صفر ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں آپ دیوبند پہنچے۔ حضرت
شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی مسجد کے سامنے ایک مکان میں مقیم ہوئے جہاں پہلے سے دونوں
بڑے بھائی قیام پذیر تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے عزیز شاگرد اور خصوصاً خادم تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ
کی عربی تعلیم کی ابتداء حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے میزان الحرف سے
کرائی اور اسطرچ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی طالب علمی کا آغاز ان کا برہمہ، اہلکام اور اولیاء اللہ کے مجمع میں
شیخ دقت کے مسند درس سے شروع ہوا۔ ابتدائی دو چار کتابیں بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب نے
پڑھائیں اسکے بعد باقی کتابیں دیگر اساتذہ کے درس میں شامل ہونے کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ سے
پڑھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ باوجودیکہ شیخ الحدیث تھے اور آپ کے درس میں صرف اعلیٰ کتابیں دہی تھیں
ابتدائی اور متوسطہ کتابیں بھی پڑھائیں اور ان کتابیں مدرسہ کے خارجہ اوقات میں پڑھائیں۔ مدنی رحمۃ اللہ علیہ
خود تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت شیخ الہند مدرسہ اہل تھے اور ان کے پاس طلبہ کیلئے بڑی بڑی کتابیں ہوتی
تھیں ابتدائی کتابیں ان کے پاس نہ ہوتی تھیں اور نہ ہو سکتی تھیں مگر چونکہ حضرت کے حقیقی بھتیجے منشی حبیب الرحمن
ہماری جماعت میں تھے اور حضرت کو ان سے بوجہ ان کی والدہ کے فوت ہو جانے اور قربت قریبہ کے بہت
زیادہ انس تھا اور اس وجہ سے بھی حضرت کو ہم تینوں پر بہت زیادہ شفقت تھی اور بڑے بھائی صاحب

۳۴
خدمت میں غیر معمولی حاضری دیتے اور امور خدمت انجام دیتے رہتے تھے۔ اسلئے رعایت خواہ فرماتے رہے
ابن دانی کتابیں بھی مجھ کو پڑھائیں اور اگر کتابیں خارج اوقات مدراس میں پڑھائیں گے
حضرت مدنیؒ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ابن دانی تعلیم بھی حاصل کی
عام مطالعہ بھی کیا اسناد بھی بہم پہنچائی، تفسیر، حدیث اور فقہ کی آخری کتابیں بھی حرف بحرف پڑھیں۔
آپ خود فرماتے ہیں۔

یہ کتابوں کا پوری طرح مطالعہ کرنا۔ سبق پڑھنے کے بعد کتاب کو دیکھنا یا نکرار کرنا بہت
کم ہوا۔ البتہ اس کا ہمیشہ التزام کیا کر اسباق میں حاضری ضرور ہوتی رہی اور حتی الوسع مقام درس میں
سبق سمجھ لینے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ بہت سے اسباق خارج اوقات میں عصر بعد، مغرب بعد
عشاء بعد ہوتے رہے۔ جن کی وجہ سے مجھ کو جلد ترقی کرنے کا موقع ملتا رہا اور اپنے ہم سبقوں کو نیچے درجات
میں چھوڑ کر اعلیٰ جماعتوں اور کتابوں میں شمول کا امتیاز حاصل کیا اور اس شغف اور پابندی کو دیکھ کر
اساتذہ کرام نے بھی اپنی عنایں زیادہ سے زیادہ مبذول فرمائیں^۲۔
ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں۔

یہ والدین مرحومین کا مکمل اہتمام بڑے مہاشیروں کی نگرانی و تربیت اور حضرت شیخ الہند کی
خصوصی توجہات عالیہ کا اثر یہ ہوا کہ اس نو عمری کے دور میں طالب علمی کے اوقات ضائع نہیں گئے بلکہ وقت کا
ہر لمحہ پوری طرح حصول علم میں خرچ کیا۔ پوری توجہ اور ذوق و شوق کے ساتھ اسباق میں پابندی
اور درس کو سمجھنے اور انشاء حد درجہ کے ساتھ مضامین کو ذہن نشین کرنے کا رہا^۳۔
ایک تعلیم کے عاک دنوں کے برعکس زمانہ امتحان میں دن درات کا ایک گھنٹہ بھی پڑھنے
اور مطالعہ کرنے کے علاوہ کسی دوسرے مشغلہ میں خرچ نہیں ہوتا تھا جس کا نتیجہ تھا کہ آپ ہمیشہ امتحان میں
اعلیٰ اور نمایاں نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ ہر پرچہ کے مفروضہ نمبر اگر بیش ہوتے تو آپ بائیس اور

تیس^{۲۳} نمبر حاصل کرتے تھے۔ اگر کوئی طالب علم غریب معمولی استعداد والا ہوتا تھا تو اس کو معین تیس^{۲۳} سے زائد نمبر بھی دیتا تھا جو کہ اعلیٰ درجہ کے نمبروں میں سمجھا جاتا تھا۔ الحمد للہ اس زمانہ میں ایکٹس ایکٹس، بائیس بائیس اور تیس تیس نمبر بھی متعدد کتابوں میں آتے رہے۔ اس کے بعد اراکین مدرائے امتحانی اور تعلیمی ضرورتوں کی بناء پر اس قاعدہ میں تبدیلی کی اور ادنیٰ درجہ کی کامیابی کا چالیس اور متوسط درجہ پینتالیس اور اول درجہ پچاس مقرر کیا۔ اس تغیر کے بعد امتحانات میں اکیا دن، باون، تریپ اور ڈھدرا^{۲۴} میں بچہتر نمبر حاصل کئے^{۲۵}۔

اس امتیازی پوزیشن کے حاصل کرنے کا سبب انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔
 میں نے ایک امتحان میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ رات کو کتاب کا اہندہ اسے اخیر تک مطالعہ کرتا تھا اور نمازات میں صرف ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم سوتا تھا۔ نیند کو دور کرنے کیلئے ٹمکھیں چائے کا انتظام کرتا تھا جب بھی نیند غالب آتی تھی (اسی چائے کو پیتا تھا جس سے گھنٹہ دو گھنٹہ کو نیند جاتی رہتی اس طریقہ پر عمل کرنے سے مجھ کو تحریری امتحان کی مشکلات پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد الحمد للہ کسی کتاب میں خیل ہونے کی نوبت نہیں آئی بلکہ اپنی جماعت میں اکثر امتیازی نمبر حاصل کرتا رہا^{۲۶}۔
 حضرت مدنی؟ بارہ برس کی عمر میں دیوبند پہنچے تھے اور پھارے چھ برس تک وہاں تعلیم حاصل کر کے کل دس^{۱۹} برس کی عمر میں ستر^{۲۷} کتابیں پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی۔ فرماتے ہیں۔
 "ان مختلف علوم و فنون کی یہ ستر^{۲۷} کتابیں جو ستر^{۲۸} فنون سے متعلق ہیں سارے چھ برس کی مدت میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا^{۲۹}۔"

اساتذہ کرام اور ان سے متعلقہ کتابیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ابنہ الی اساتذہ
مڈل اسکول کا حال نہیں معلوم ہو سکا البتہ ان کے والد محترم اور والدہ محترمہ کی پڑھائی ہوئی ابتدائی
کتابوں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور ان سے پڑھی ہوئی کتابوں کا مکمل حال مندرجہ ذیل ہے۔

کتابیں

اساتذہ کرام

- (۱) والد محترم مولوی شاہ سید حبیب اللہ حبیب؟
اور والدہ محترمہ
قاعدہ بغدادی، قرآن پاک، اردو، فارسی
حمد باری، آمد نام، دستور الصبیان، گلستان
حساب، جغرافیہ، تاریخ اور الجبر وغیرہ۔

- (۲) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن حبیب؟
دستور المبتدی، نردادی، زنجانی، مراجع الاداء۔
قال اقول، سقات، تہذیب، شرح تہذیب۔
میر قطبی تصورات، میر قطبی تصدیقات، مطول۔
نفسہ الیمن، مفید الطالبین، ہدایہ آخرین، نکتہ الفکر۔
ابوداؤد شریف، تفسیر بیضاوی شریف، شرح عقائد نسفی۔
حاشیہ خیالی، موطا امام مالک، موطا امام شہد۔
ترمذی شریف، بخاری شریف۔

فصول اکبری -

تلخیص المفتاح -

توضیح تلویح - سبہ معلقہ - صدر - تصریح شمس باز -
حمد اللہ - ابن ماجہ - نسائی شریف - مسلم شریف -

صرف سیر - نومیر - پنج گنج - مختصر المعانی -

سلام العلوم ملاحسن - ہدایہ ارسلین، جلالین شریف

(۳) مولانا ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد شیخ الہند)

(۴) مولانا خلیل احمد صاحب سپہارنپوری

(۵) مولانا عبد العالی صاحب (مدرس دم دارالعلوم دیوبند)

“ “ “

(۶) مولانا حکیم محمد حسن صاحب - مدرس

دارالعلوم دیوبند

شمائل ترمذی شریف

نور الانوار - قاضی مبارک - حسامی -

(۷) مولانا غلام رسول صاحب بغوی

مدرس دارالعلوم دیوبند

کافیہ - ہدایہ النہو - شرح وقایہ - اصول التماسی
منیۃ المصلی - شرح مائتہ عامل - کنز الدقائق - شرح جامی

(۸) مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

مدرس دارالعلوم دیوبند

شرح ملا جامی (بخش سوم) -

(۹) مولانا حافظ احمد صاحب

ملا جلال - میرزا ہدایہ عالم - خلاصۃ الحساب - میرزا امیر -
رشیدیہ - سراجی -

(۱۰) مولانا مفتی علی صاحب

مقامات حریری - دیوان متنبی -

(۱۱) مولانا حبیب الرحمن صاحب

میزان الصرف - ایسا غوجی - منشوب -

(۱۲) مولانا صدیق احمد صاحب
(بڑے بھائی مدنی)

باب سوم

سفر مدینہ منورہ

تکمیل علوم کے بعد ۱۳۱۶ھ میں اپنے والد ماجد سید حبیب اللہ کی بیعت

میں حجاز مقدس کیلئے روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر بیس برس تھی و آپ اپنے والد صاحب کے ہمراہ حجاز جانے سے قبل امام ربانی حکیم الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو چکے تھے حضرت امام ربانی نے بیعت کے بعد فرمایا تھا کہ تم مکہ مکرمہ جا رہے ہو اسلئے وہاں حضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب سے ذکر و شغل معلوم کر لینا چنانچہ مکہ مکرمہ پہونچ کر آپ حسب ارشاد امام ربانی حاجی صاحب کے پاس ذکر و شغل میں لگ گئے^۱

حضرت حاجی صاحب سے ملاقات اور ان کی توجہات کا واقعہ حضرت مدنی کی زبانی سنئے۔

ہم دونوں بھائی (سید احمد اور میں) نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ہم کو

بیعت نوکر لیا تھا مگر یہ فرمایا کہ تلقین ذکر حضرت سے حاصل کر لینا۔ یہ سننے کے بعد آپ نے انھیں کی تلقین

فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو ذکر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو^۲

اس رشتہ میں جو ارادت اور حالات مکتشف ہوئے وہ امام ربانی کی خدمت میں

بذریعہ خط بھیجے رہے اور وہاں سے شفقت بھرے جواب آتے رہے^۳

حضرت مدنی حجاز سے روانگی کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس واقعہ کو خود نقل کرتے ہیں۔

جب فائدہ حجاز ذی الحجہ کے اخیر عشرہ میں مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگا تو خلائ

معمول بعد نماز ظہر ہم تینوں کو حافری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت نے بہت شفقت فرمائی۔ سربراۃ بھیرا

اور فرمایا کہ تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ ہم نے سکوت کیا تو فرمایا کہ کہو ہم نے قبول کیا۔ ہم نے حسب تلقین

۱۔ اکابر کے خطوط۔ ناشر کتب خانہ اشاعت العلوم ممبئی سہارنپور۔ ص ۱۲۷

۲۔ نقش حیات۔ ص ۹

۳۔ ایضاً

عمل کیا۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ ہم نے رخصتی مصافحہ کیا۔^۱

حضرت مدنیؒ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں محرم کی ابتداء کی تاریخوں میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ہجرت کا ارادہ نہیں کیا تھا تاہم والدین کی خدمت اور معیت کا شرف حاصل کرنے کیلئے اور مدینہ طیبہ کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کیلئے قیام کا ارادہ کر لیا تھا۔ خود فرماتے ہیں۔ بہر حال ہم میں سے کسی نے بھی سوائے والد صاحب مرحوم کے ہجرت کا ارادہ نہیں کیا تھا صرف قیام کا ارادہ تھا۔ مگر والد صاحب کو اکیلا چھوڑ کر آنا نہ والدہ مرحومہ کا گوارہ ہوا اور نہ دیکھ کر کسی کو۔ سب نے یک زبان ہو کر (والد صاحب سے) کہا کہ جب تک آپ زندہ ہیں ہم ہیں رہیں گے۔^۲

قیام مدینہ کا زمانہ حضرت کے خاندان کیلئے اس قدر نیک و خوشی اور مسرت کا زمانہ تھا کہ پورا خاندان جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر گزارہ کرتا تھا۔ ان حالات میں سب سے بڑا مسئلہ گذر اوقات کا تھا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی معاشی زندگی کی ابتداء تجارت جیسے شریف و عزت نبوی کے پیشے سے کی اور ایک دوکان کے ذریعہ اس کام کو انجام دینا شروع کیا۔^۳ خود فرماتے ہیں۔

”نھوک مال کی خرید بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب مرحوم کرتے تھے ان کو اس کا شوق بھی تھا اور مہارت بھی جلد حاصل ہو گئی تھی۔ دوکان پر میں ”بھائی“ سید احمد مرحوم باری باری بیٹھتے تھے ٹھوڑے عرصہ میں منجرب سے ملوک ہوا کہ اس طریقہ (تجارت) سے اگرچہ آمدنی ہے مگر کرایہ دوکان اور دیگر مصارف منہا کرنے کے بعد آمدنی اتنی نہیں ہو سکتی جو کہ روزمرہ کے اخراجات کو کافی ہو سکے اسلئے میں نے کتابت علی الاجرت شروع کر دی۔“^۴

مدینہ منورہ میں اس وقت ڈیڑے کتب خانے موجود تھے ایک مکتبہ شیخ الاسلام معارف حکمت۔ دوسرا مکتبہ محمودیہ۔ یہ دونوں بڑے قدیم اور مکمل کتب خانے تھے چنانچہ آپ نے ان

۱۔ نقش حیات - ص ۸ جلد ۱

۲۔ ایضاً ص ۵۲ جلد ۱

۳۔ روزنامہ الجمعۃ دہلی - شیخ الاسلام مکتبہ - از مولانا حکیم عبد الجلیل صاحب - لطیف خاص حضرت مدنی ص ۶۵

۴۔ نقش حیات ص ۵۶ جلد ۱

کتب خانوں میں کتابوں کے نقل کرنے کا مشغلہ شروع کیا۔ نسخہ دستعلیق دونوں خطائے پاکیزہ ہو گئے کہ دیگر معاصرین علماء میں اسکی نظر پر ملنی مشکل ہے۔ ان کتب خانوں میں مختلف علوم و فنون کی بہت سی نایاب کتابوں کا عالمی نسخہ موجود تھا جس کے نقل کرنے کے ساتھ علمی پیاس بجھانے کا بورا پورا موقعہ نصیب ہوا۔^۱

انھیں رام میں آپ نے علوم ادب کی تکمیل کیلئے مدینہ طیبہ کے ایک مشہور استاد شیخ عبد الجلیل آفندی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تکمیل علم کے دوران ہی آپ نے مدینہ منورہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں!

”میں نے باقی اوقات میں مشاغل سلوک اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر لیا تھا نیز چونکہ ادبیات میں بعض کتابیں باقی رہ گئی تھیں اسلئے مدینہ منورہ کے مشہور و معروف اور معمر ادیب شیخ آفندی عبد الجلیل ہر ادہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شاک کو کچھ ادب کی کتابیں ہم تینوں بھائی پڑھتے تھے۔^۲ مدینہ طیبہ میں حضرت مدنی کی طالب علمی کا یہ ایک ظاہری رخ تھا۔ دوسرا رخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی اور روحانی اکتساب علم کا تھا جس میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلیم حاصل کی۔ یہ امر علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم ہے کہ حضور اپنے جسد مبارک کے ساتھ بقید حیات اور ہر قرار میں۔ جن تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب نفوس قدسیہ کیلئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ عالم بیداری میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوں بہر حال اتنی بات تو مسلم ہے کہ ایک امتی کے لئے ذات اقدس سے اکتساب فیضان ہر وقت ممکن ہے۔“^۳

حضرت مدنیؒ کو بھی اس مقام پر اور ان کیفیات و جذبات کے درمیان (جو اولیاء اتقیاء اور صلیاء کے اندر اس مبارک موقع پر پیدا ہوتی ہے) سرور کائنات کی زیارت نصیب ہوئی۔

۱۔ روزنامہ - الجمعۃ دہلی - شیخ الاسلام مدنی نمبر ص ۶۵

۲۔ نقش حیات - ص ۵۶

۳۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی - مصنف فرید الوحیدی ص ۱۲۸

خود فرماتے ہیں !

”مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب قضیم سے رابغ کو قافلہ جارہا تھا رات میں اذیت پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم جناب سر در کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نشتر لیے لائے ہیں۔ میں قدموں میں گر گیا۔ آپ نے میرا سر اٹھا کر فرمایا کیا مانگتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جو کتابیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کو سمجھنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ تو فرمایا کہ تجھ کو دیا ہے“

اس موقع پر یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ علوم دینیہ کے علاوہ کسی دوسری طرف آپ کو توجہ اور رغبت نہیں رہی اور یہ علوم آپ کو براہ راست حضور اکرمؐ سے حاصل ہوئے تھے۔

یہ واقعہ کی پہلی کڑی تھی اس طرح کے واقعات مسلسل طور پر قیام مدینہ میں پیش آتے رہے۔

”ایک مرتبہ ہدایہ آخرین میں ایک مسئلہ ایسا آگیا کہ بہت غور و فکر اور حواشی و

مشرعہ کے مطالعہ سے بھی حل نہ ہو سکا۔ سخت عاجز ہو کر حجرہ مطہرہ نبویہ پر حاضر ہوا اور بعد سلام و درود (مسئلہ مطلوب) عرض کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سمجھ میں آگیا۔“

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

”دیکھا کہ میں باب الاسلام سے مسجد میں داخل ہوا اور حجرہ مطہرہ کی جانب

جار ہا ہوں اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک پر ایک کرسی پر رونق افروز ہیں۔ قبلہ کی طرف آپ کا چہرہ مبارک ہے۔ میں دایہنی طرف سے حاضر ہوا۔ جب میں بالکل قریب پہنچا تو آپ نے مجھ کو چار چیزیں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ایک علم ہے باقی تین چیزوں کو نہیں جانتا کہ کیا تھیں۔“

حضرت مدنیؒ نے دربار نبوی میں اس طرح فراتوئے ادب نہہ کئے ہیں اور میں سے

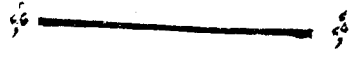
۱۔ نقش حیات - ۱/۲۱۰

۲۔ نقش حیات - ۱/۹۲

۳۔ فرید الوحیدی - شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ص ۱۳۰

۴۔ نقش حیات - ۱/۹۸

استفادہ کیا ہے جیسے ایک شاگرد اپنے استاد کی خدمت میں طلب علم کیلئے حاضر ہوتا ہے۔ آپ کی طالب علمی کا تانباک اور مبارک پہلو یہ ہے کہ آپ کے اساتذہ کی فہرست میں حضور اکرم ﷺ کا نام نامی درج ہوتا ہے جو آپ کے لئے باعث شرف و افتخار ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی فراغت کے بعد آپ کا زمانہ التعلیم ختم نہیں ہوا بلکہ مولانا عبد الجلیل آغزی برادہ سے استفادہ کرتے ہوئے سلسلہ مذکورہ کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں اپنے پیر و مرشد اور استاد اول شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندؒ سے شرف تلمذ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔



درس و تدریس: مدینہ منورہ

۱۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی کے سن ادوار ہیں ان میں سب سے پہلا دور خالص علمی خدمت کا دور ہے جو ابتدائے قیام مدینہ منورہ ۱۳۱۷ھ سے شروع ہو کر اسارت مالٹا ۱۳۳۲ھ پر ختم ہوتا ہے اس سترہ سال کی مدت میں تین بار آپ ہندوستان واپس ہوئے ہیں کبھی چند مہینے اور کبھی چند سال رک کر حجاز واپس ہوئے ہیں فترات قیام ہند کے استثناء کے بعد کم و بیش تیرہ سال آپ نے مدینہ منورہ میں علم دین کی نشر و اشاعت میں صرف فرمائے ہیں اسی دور کی یادگار آپ کا فاضلانہ رسالہ "الشعاب الثاقب" ہے جس میں بریلوی فتنہ کی بیخ کنی کی ہے۔

۲۔ حضرت والا کے علمی و عرفانی کارنامے اپنے اساتذہ و مشائخ کی طرح جامع کارنامے ہیں جن سے اسلامی زندگی کا ہر گوشہ روشن و تاباں ہے۔ جو علوم و فنون دینی اور اسلامی ہیں جن کو گویا آپ کا موردی علوم کہا جاسکتا ہے۔ ان کی بہارت و وسعت اور گہرائی و گرائی کا تو ٹھکانہ ہی کیا؟ لیکن جو علوم و فنون عموماً آج کل کے اہل علم کے دائرہ فکر و نظر سے خارج ہیں ان کی حذاقت و کاملیت اور گہرائی کا غیروں نے اعتراف اور اپنوں نے شہادت دی ہے۔

مدینہ طیبہ اور مسجد نبویؐ میں درس و تدریس کا مشغلہ تو جاری رہا ہی تھا اور بہت سے عربی و حجازی اساتذہ کو فیضیاب کرتے تھے۔ مگر جب ابتدائی مضامین سے اپنے درس کی ابتداء کی تو علوم و خواص کا رجحان آپ کی طرف بہت تیزی سے شروع ہوا۔ فرماتے ہیں۔

مدینہ منورہ پہنچنے پر بعض بعض طلباء عرب و ہندوستانی بعض کتابوں کی تدریس کے خواستگار ہوئے اگرچہ عربی زبان میں عربی سے تک کتابیں پڑھنے کی نوبت آئی تھی مگر بولنے کی مشق

۱۔ ابوالکلام علامہ حبیب الرحمن عظیمیؒ - الجمعۃ شیخ الاسلام مدنی مجلہ - ۲۲
۲۔ مولانا عابد الوحیدی الحسینی بھوپال - ایضاً - ۳۵

نہ تھی اس لئے اشکال کا سامنا ہوا۔^۱

ایسے حالات کے باوجود آپ نے ابنہ ائی کتابوں سے تدریس کی ابتدا کی اور

بہت تھوڑے عرصہ میں عربی تفہیم و تقریر پر قدرت حاصل کر لی۔ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس سے مجھ کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ ابنہ ائی کتابیں صرف دُخو اور فقہ دیزہ کی

محفوظ ہو گئیں اور دوسرے یہ کہ زبان (عربی) صاف ہو گئی۔ ہمارا ایک دو طالب علموں کو پڑھانا گوشہ گمنامی میں

اور ابنہ ائی کتب صرف دُخو اور فقہ دیزہ سے اشتغال رکھنا بہت مفید ہوا۔^{۱۳۱۸ھ} سوال تک اسی طرح
ابنہ ائی کتابیں دو دو، چار چار طالب علموں کو پڑھاتا رہا حلقہ درس میں کوئی امتیازی شان پیدا نہیں ہوئی۔^۲

واپسی ہندوستان

حضرت مدنی؟ تدریسی خدمات کے ساتھ اپنی ریاضت و مجاہدہ اور ذکر و شغل

سے جو حالات مکشوف ہوتے وہ اماں ربانی حکیم الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں بھیجے رہتے اور

اور اس کے جوابات سے مشرف ہوتے۔ اسی دوران سوال^{۱۳۱۸ھ} مطابق جنوری^{۱۹۰۱ء} میں اماں ربانی کا

ایک خط آپ کو موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ ایک ماہ کو گنگوہ آجاؤ۔ گرچہ وہاں سب کچھ ہے دن رات

رحمتوں اور برکات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں حاضری دین دنیا کی بڑی سعادت ہے۔ پھر بھی

اس وقت تم کسی طرح کچھ دنوں کیلئے اگر گنگوہ آجاؤ تو اچھا ہو۔^۳

اس خط کے موصول ہونے کے بعد آپ اور آپ کے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب۔

ربیع الاول^{۱۳۱۹ھ} میں مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر گنگوہ پہنچے۔ اس واقعہ کو یوں لکھتے ہیں۔

”اماں ربانی کے آستانے پر حاضری دی آپ نے۔ دونوں بھائیوں کو ایک ایک

۱۔ نقش حیات - ص ۵۷ جلد ۱

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ص ۸۱ جلد ۱

جوڑا مرحمت فرمایا۔ مولانا محمد صدیق صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے پاس عمامے ہیں وہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں ان کو بھی آپ اپنی طرف سے ہمیں منایت فرمادیں۔ فرمایا ان کو بچہ دیکھا جائے گا۔ پندرہ دن تک قیام کے بعد بین النوم والیقظہ کسی کی طرف سے بشارت ملی کہ تم کو چالیس روز بعد اجازت و خلافت دی جائیگی۔ ٹھیک چالیس دن کے بعد حضرت نے دونوں سے عمامہ منگو کر اور پاس بٹھا کر اپنے دست مبارک سے باندھے اور فرمایا یہ دستار خلافت ہے۔ نیم دونوں کو مجھ سے اجازت ہے۔^۱ حضرت گنگوہیؒ سے اجازت و خلافت حاصل کرنے کے بعد دونوں حضرات اپنے وطن اہلی ٹانڈہ اور مادڑلی دارالعلوم دیوبند کی زیارت کرتے ہوئے شوال ۱۳۱۹ھ میں حجاز مقدس کیلئے روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ کا دوسرا قیام

مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد حضرت شیخ الاسلام نے مدرسہ کا مشغلہ شروع فرمایا۔ طالبین علوم اسلامیہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونا شروع ہوا اور آپ نے قدرے قلیل آرام اور بشری ضروریات کیلئے گنجائش چھوڑ کر شب و روز کا سارا وقت قرآن و حدیث کی خدمت کیلئے وقف کر دیا۔ حتیٰ کہ مشاغل طریقت اور سلوک و تصوف کیلئے بھی وقت پوری طرح فارغ نہیں رہا۔ روزانہ چودہ^{۱۴} پندرہ^{۱۵} اسباق پڑھاتے تھے اور تعطیل کے ریاک میں بھی آرام نہیں فرماتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

” ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۶ھ تک مسلسل طور پر مدرسہ مشغلہ علمی مدینہ طیبہ میں جاری رہا۔ تمام مشاغل معاش سے دستبردار ہو کر میں سفر گنگوہہ سے واپس ہوتے ہی مسجد نبوی میں تعلیمی مشاغل میں تدریجاً منہمک رہا یہاں تک کہ روزانہ چودہ^{۱۴} چودہ کتابیں مختلف فنون کی پڑھاتا تھا۔ چونکہ طلباء کا ہجوم ہوا اسلئے خارجہ اوقات مدرسہ حرم نبوی میں پڑھانے لگا صبح کی نماز کے بعد، عصر بعد، مغرب بعد بلکہ عشاء بعد بھی مختلف علوم کی کتابیں شروع کرادیں۔“^۲

۱۔ اکابر کے خطوط - ص ۱۲۸

۲۔ نقش حیات - ص ۶۳-۱۱۲-۱۱۳ جلد اول

حضرت مدنیؒ کی علمی ہیئت، تدریسی صلاحیت اور زبانیت و فطانت کا ہی ثمرہ تھا کہ آپ نے ان کتابوں کو بھی پڑھایا جس کا تعلق اس سے قبل نہیں تھا درس نظامی سے بالکل مختلف مدنیہ منورہ، استنبول اور مصر کی نصابی کتابیں شامل درس تھیں۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔
 علم نجوم - دحلان، اجر و مہ، الفیہ - کفرادی - شرح الفیہ ابن ہشام - ابن عقیل و غیرہ

علم معانی و بیان - شرح عقود الجمان - رسالہ استعارات - رسالہ وضعیہ للخاصی معتمد و غیرہ

علم بدیع - بدیعہ لابن حجر - و غیرہ

علم عقائد - مسامرہ - شرح مسامرہ - شرح لطوالع الانوار - جوھرہ و غیرہ

اصول شافعیہ و مالکیہ - شرح مجمع الجوامع للسیکی - شرح مستصفی الاصول و رواف - شرح منہجی الاصول و غیرہ

علم فقہ - نور الايضاح - ملطفی الابحر - دُرر و غیرہ

اصول حدیث - الفیہ اصول الحدیث - بقونیه و دیگر رسائل -

یہ اسی طرح فرائض و منطق و غیرہ میں متعدد رسائل و کتابیں جن کو ہندوستان میں سنا بھی نہ تھا پڑھانا پڑا چونکہ نفس فن میں ان فنون سے مناسبت تھی اسلئے کچھ دشواریاں پیش نہیں آئیں جن کتابوں کو یہاں (ہندوستان میں) پڑھانا خواہ تفسیر کی یا حدیث، معانی، کلام، فقہ یا اصول و غیرہ ان کی بھی بار بار

نوبت آئی اور بحمد اللہ نہایت کامیابی کے ساتھ یہ دروس جاری رہے۔^۲
 آپ کا علمی حلقہ ترقی کرتا گیا استفادہ کا حلقہ وسیع ہوتا رہا۔ مستفیدین کی

۱ - مولانا عبد الجلیل حکیم صاحب - الجمعۃ - شیخ الاسلام مدنی نمبر ۶۵

۲ - فرید الوحیدی - شیخ الاسلام حسین احمد مدنی - ص ۱۵۱

۲ - نقش حیات - خود نوشت سرانم حضرت مدنی - ص ۹۸

تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ افریقہ۔ چین۔ جزائر شرق الہند اور اہل جہاز کے علاوہ دیگر ممالک کے
 شہنگان علوم کا اتنا زبردست ہجوم ہوا کہ مدینہ کے دیگر حلقہ دروس میں اس کی مثال نہیں ملتی۔
 خود فرماتے ہیں۔

اس مدت میں طلبہ میں کافی شہرت ہو چکی تھی۔ ابتدائی کتابیں بھی صاف ہو چکی تھیں
 عربی تفسیر کی مشق بھی اچھی طرح ہو گئی تھی اسلئے طلبہ کا ہجوم زیادہ ہوا۔ ضروری تھا کہ کچھ وقت مشاغل طریقت
 کیلئے روزانہ مقرر کیا جاتا اور اس تعلیم فرمودہ اشتغال کو انجام دیا جاتا۔ مگر جب بھی اسکے لئے بیٹھنا تھا تو
 ہجوم خواہر و احادیث۔ نفس و غلبہ نوم سے پریشان ہو جاتا تھا۔ ادھر طلبہ کے ہجوم نے اس پر مجبور کر دیا کہ
 جس قدر بھی ممکن ہو ان کو تعلیم کیلئے اوقات دئے جائیں۔^۱

حضرت مدنی کی شہرت و مقبولیت کو دیکھ کر دیگر علماء میں رشک و رقابت پیدا ہوئی چونکہ
 حدیث و فقہ کے درس میں طلباء کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا تھا اور آپ کے گرد حلقہ بنائے رہتا تھا اہل علم میں عموماً
 اور اہل جہاز میں خصوصاً حسد اور رقابت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اسلئے جب کوئی عالم آتا ہے تو اس کی طرف
 آنکھیں بہت اٹھتی ہیں۔ علماء ہند چونکہ عربی بولنے کے عادی نہیں ہوتے اسلئے بسا اوقات شکست کھا جاتے
 ہیں اور ان کیلئے میدان امتحان و امتیاز میں پیش قدمی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ حضرت مدنی کے حلقہ درس
 کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ان پر بھی علماء کی نظریں اٹھیں اور تنقید کرنے کا ارادہ کیا لیکن ان لوگوں کو اس
 ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی اسلئے کہ ایک تعلیم جید اور ماہر فن اساتذہ کے ذریعہ ہوئی تھی اور پھر قدرت
 نے آپ کو دماغ و ذکاوت اور حفظ کا وہ اعلیٰ درجہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظر خود آپ ہی تھے۔^۲
 چونکہ آپ کوئی کتاب بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھاتے تھے اور دن و رات کے چوبیس گفتگوں میں سے صرف
 تین گھنٹے آپ آرام فرماتے اور بقیہ اوقات درس و تدریس میں گذرنا جس سے آپ کی عربی تفسیر صاف
 شستہ اور برجستہ تھی اور اس تعداد کامل مزید برآں محنت شاقہ فرماتے۔ خود فرماتے ہیں۔

۱۔ نقش حیات - ص ۸۹

۲۔ الجمعۃ - شیخ الاسلام نمبر ۶۸

”اس امر کا التزام تھا کہ کوئی کتاب بلا مطالعہ اور بغیر شرح و حواشی پر پوری طرح نظر ڈالے نہ پڑھائی جائے اسی وجہ سے دن درات میں تقریباً ساڑھے تین گھنٹہ سونگھنا تھا باقی اوقات مطالعہ و تدریس میں صرف ہوتے تھے (تھوڑے سے وقت غزوت بشریہ کی نفی کے ساتھ)۔ میں نے حافظہ کی تقویت کیلئے علماء خیر آباد کا طریقہ اختیار کیا تھا بلکہ ہر طالب علم کی قرأت عبارت کے بعد مسائل پر تقریر کرتا تھا اور سمجھانا تھا۔ گھر پر کتاب اور اس کی شرح اور حواشی خوب دیکھ کر سارے مسائل کو منضبط کر کے جاتا تھا۔“

حضرت مدنی نے درس میں علماء خیر آباد کا طریقہ اختیار فرمایا کہ دورانِ درس اپنے سامنے کبھی کتاب نہ رکھتے بلکہ طالب علم کے عبارت پڑھ لینے کے بعد مسائل پر تقریر فرماتے جبکہ علماء مدینہ نہ صرف کتاب کو دورانِ درس سامنے رکھتے بلکہ اس کی شرح بھی ہاتھ میں لیکر پڑھتے تھے اور تقریر کے وقت عبارت شرح یا حاشیہ کی سنادیتے تھے۔

ان تمام اسباب کی بناء پر آپ کی دھاگ بیٹھ گئی اور سب آپ کی علمی قابلیت کے معترف ہو گئے اور سب کو آپ کی مہارت کا قائل ہونا پڑا۔ اس شاندار ترقی میں جہاں ان مادی اسباب کا دخل ہے وہاں اصلی و حقیقی اسباب کو اپنایا۔ یعنی آپ کو جب بھی کوئی مشکل پیش آئی۔ کسی مسئلہ میں پیچیدگی پیدا ہوئی تو اس کے حل کیلئے فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور رسول مقبول ناجدار مدینہ نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر اپنی بے بضاعتی کا شکوہ کرتے اور دیر بعد تک اسی حالت میں رہ کر واپس ہوتے چند قدم چلنے کے بعد ہی غم الجھیس دور ہوتی محسوس کرتے اور پھر مسائل کا حل ذہن کے پردہ پر بالکل صاف اور روشن ہو جاتا۔ حضرت مدنی کی یہی وہ خوبیاں تھیں کہ آپ کو حجاز میں عزت و جاہ کا مرتبہ ملا جو ہندی علماء کو کیا یعنی، شاہی اور مدنی علماء کو بھی حاصل نہ ہوا۔ آپ کی شہرت عرب سے تجاوِ ذکر کے دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی اور آپ کو عنفوان شباب میں ہی شیخ الحرم اور شیخ العرب والعجم کے معزز القاب و آداب کے ساتھ سرفراز کیا گیا اور تمام عالم اسلام میں انھیں القاب سے مشہور ہوئے۔

باب چہارم

بحیثیت شیخ الحدیث: دارالعلوم کلکتہ و سلہٹ

۱۳۳۳ھ جمادی الثانی ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

حجاز شریف لے گئے اور حج بیت اللہ ادا کیا اور پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسی سال جمال پاشا اور انور پاشا بھی دربار رسالت میں حاضری دینے کیلئے آئے تھے۔ شریف حسین نے انگریزوں سے سازش کر کے ترکوں کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اس موقع پر شیخ الہند نے مع رفقاء ترکوں کی حمایت میں سرحدی قبائل کو آراستہ کیا۔ جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی تو علماء سے فتویٰ حاصل کیا۔ بہت سے علماء سونے حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ترکوں کے خلاف جنگ کو جائز قرار دیا۔ حضرت شیخ الہند اس وقت وہیں مقیم تھے حکومتی سطح کے لوگوں نے آپ سے بھی اس فتویٰ پر دستخط کرانے چاہے لیکن آپ نے صحافی انکار کرتے ہوئے ان کو جواب دیا کہ ان بندگان طمع و زر کے فتویٰ کو میں پرکھ کر ان کی حیثیت نہیں دیتا اسے اپنے پاؤں کے جوتے سے ٹھکراتا ہوں۔ اس جواب کے بعد حضرت شیخ الہند حضرت مدنی اور مولانا سبزوگل وغیرہم گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا بھیج دئے گئے۔ یہ حضرات یہاں بائیس سال مقید رہے۔ اسی قید کی حالت میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے قرآن پاک حفظ کیا اور حضرت شیخ الہند نے قرآن پاک کا ترجمہ مکمل کیا۔ قید سے رہا ہونے کے بعد یہ سبھی حضرات ہندوستان شریف لائے۔

حضرت مدنیؒ یہاں پہونچکر استخلاص وطن کی خدمات میں مشغول ہوئے اور اسی کے ساتھ دارالعلوم دہلی میں اونچی کتب کا درس دینا شروع کیا یوں تو آپ سے قبل بھی دارالعلوم میں علمی خدمات انجام دے چکے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب آپ مدینہ طیبہ سے ہندوستان آتے اور کچھ مہینوں یا سالوں تک رہ کر واپس چلے جاتے تھے اس سلسلہ میں مجلس شوریٰ نے ان کیلئے کچھ فیصلے کئے تھے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۲۷ھ ماہ شوال میں مجھ کو تدریس کا حکم دیا گیا۔ جلسہ اہل شوریٰ نے

حضرات ہتھمین رحمہما اللہ کی خواہش اور تجویز کو پاس کر دیا کہ حسین احمد کو بالفعل نمبر ۲۲ جو پیش رو پیر ماہوار مدرس کر دیا جائے اور اس کے بعد جب بھی وہ مدینہ منورہ سے ہندوستان واپس آئے رسکو بغیر تحریری اجازت از مجلس شوریٰ مدرس کیا جائے۔ چنانچہ مجھ کو متعدد اسباق اور کئی کتابوں کے دئے گئے۔ حضرت مدنی دارالعلوم دیوبند میں صدارت عظمیٰ بر فائز ہونے اور مکمل طور پر اس ادارہ میں علمی خدمات انجام دینے سے قبل دارالعلوم کھلکتہ میں علمی خدمات انجام دے چکے تھے۔ یہ مدرسہ مولانا ابوالکلام آزاد نے کھولا تھا۔ خود ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

مالٹا کی رہائی کے بعد جب مولانا محمود حسن اور ان کے ساتھی ہندوستان واپس آئے کچھ دن بعد میں نے مدرسہ کھولا تاکہ عدم تعاون کے سلسلہ میں جن طلباء کو کالج چھوڑنا پڑا تھا ان کی تعلیم کا انتظام ہو سکے۔ اس مدرسہ میں مولانا حسین احمد مدنی مدرس اول رہے اور وہاں کام کرتے رہے اور سیاسی جلسوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔^۲

انھیں اباک میں کراچی میں حکومت کے خلاف ایک تجویز پیش کرنے پر مقدمہ چلا اور دو سال کیلئے ساہیوال جیل بھیجے دئے گئے۔ رہائی کے بعد آپ سلیپٹ میں ایک مدرسہ کے شیخ الحدیث رہ کر علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسکے علاوہ آپ نے امر پور میں بھی کچھ سالوں تک لکھنؤ کی خدمات انجام دی ہیں۔ علامہ کشمیریؒ جب دارالعلوم دیوبند سے منعفی ہو کر ڈامھیل چلے گئے تو آپ کو سلیپٹ سے بلا کر ندیس کیلئے دارالعلوم دیوبند کا صدر المدرسین و شیخ الحدیث بنا دیا گیا۔

صدارت دارالعلوم دیوبند

علامہ النور شاہ کشمیریؒ کے استعفیٰ کے بعد دارالعلوم انحرانی اور انتہائی نازک دور سے دوچار تھا۔ ایسے اخطا کا پذیر دہر میں مجلس شوریٰ کی نظر انتخاب آپ کے ادب و مہربانی چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند کی رفیع مسند علم پر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں مستقل طور سے جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دارالعلوم کے جس عہدہ پر فائز تھے وہ دینی طور پر محض مدرسہ یا صدر مدرس کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک خصوصی مقتدا ائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف جو عام ہوتا رہا ہے اور جس کیلئے منجانب اللہ ایسی ہی شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں۔ امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل و کمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے۔“

دارالعلوم دیوبند نے حضرت مدنی کی سرپرستی میں جو علمی ترقی کی وہ ظاہر ہے۔

دارالعلوم کی مسند علم پر دوسرے اکابر علماء و محدثین منظم بھی جلوہ افروز رہے اور اس دور میں بھی دارالعلوم کے دارالحدیث میں حدیث کی شیعہ روشن ہوئی اور اس پر جانثار پروانے اُڑے اور انھوں نے اپنی جان شیعہ حدیث پر نثار کی لیکن خدا گواہ ہے کہ اس مدنی محدث نے جب شیعہ حدیث روشن کی تو اس پر اس قدر پروانوں کا ہجوم ہوا کہ دارالحدیث علم و عرفان کے تابناک ستاروں سے اس قدر جگمگایا جسکی نظر دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ممکن نہیں۔“

حضرت شیخ کے حلقہ درس اور اس کی مقبولیت عامہ کا اندازہ صرف اس سے لگایا جائے کہ دارالعلوم دیوبند کی جب سے بنیاد پڑی ہے اس وقت سے لیکر آپ کے آخری درس تک جتنے طلباء

۱۔ مولانا قاری محمد طیب۔ مکتوبات شیخ الاسلام مدنیؒ ص ۵۰-۵۱

۲۔ مضمون چودھویں صدی کا شیخ الحدیث۔ الجمعۃ۔ شیخ الاسلام مدنی نمبر ص ۶۸

فارغ ہو کر اگلے ان میں سے آدھے سے زیادہ صرف شیخ الحدیث حضرت مدنی کے شاگرد تھے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۷۶ھ تک فضلاء دارالعلوم کی تعداد چھ ہزار چھ سو تیس ۴۹۳۰ ہے جن میں سے تین ہزار آٹھ سو چھپن طلباء نے شیخ الاسلام مدنیؒ سے علم حدیث حاصل کیا ہے ۱

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے والد محترم حضرت مولانا عبدالحی صاحب (ناظم ندوۃ العلماء کھٹوا) تحریر فرماتے ہیں۔

۱۳۲۶ھ میں جب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے دیوبند کی مسند شیخ الحدیث سے استعفیٰ دیا تو ان کی جگہ پر مولانا حسین احمد مدنی کا انتخاب کیا گیا آپ نے اسی قابلیت اور مہارت شان کے ساتھ تدریس حدیث کی خدمت انجام دی کہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور مرکزیت بھی باقی و ساری رہی اور مدرسہ پر عوام و خواہل کا اعتماد بے قرار رہا تعلیم و تدریس کی خدمات کے ساتھ حضرت مدنی سیاسی جدوجہد میں بھی اپنے بے مثال عزم و محنت کے ساتھ رداں دواں رہے اور مسلمانوں میں غیرت و حمیت نیز عزت نفس کی روح بیدار کی ہے ۲

۱۔ مولانا حکیم عبد الجلیل صاحب۔ المجموعۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۶۶
۲۔ مولانا عبدالحی صاحب۔ نثر مہتمم الخواطر۔ مطبوعہ دہلی آباد ص ۱۱۷

درس حدیثِ حضرت مدنیؒ

۱۳۴۶ھ سے قبل آپ کے دارالعلوم دیوبند میں مختلف اوقات میں متعدد ادبچی کتابوں کا درس دیا اور ہزاروں لشکانِ علوم کو سیراب کیا لیکن ۱۳۴۶ھ سے آپ نے مستقل طور پر درس حدیث ہی دیا اکتیس^{۳۱} سال کا یہ عرصہ دارالعلوم میں علومِ نبویہ کی خدمت میں گذرا۔ آپ نے صحاح ستہ میں امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ کی صحیح بخاری اور امام ابو یوسفؒ ترمذیؒ المتوفی ۲۷۵ھ کی سنن ترمذی ان دو کتابوں کو اپنے درس کیلئے منتخب فرمایا۔ صحیح بخاری کی وجہ انتخاب تو ظاہر ہے وہ بالاتفاق اچھے الکتاب بعد کتاب اللہ ہے رہا سنن ترمذی کو بقیہ کتب صحاح ستہ کے بجائے زیرِ درس رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ سنن ترمذی کی چند خصوصیات ہیں جو بقیہ کتب صحاح ستہ میں نہیں ہیں^۱ لہذا یہاں سنن ترمذی کی خصوصیات کا ذکر ضروری سمجھتے ہوئے اگلے صفحہ پر پیش کیا جا رہا ہے۔

خصوصیات سنن ترمذی ۔

روایات کو بیان کرنے کے بعد اس کے درجہ کو مصنف ذکر کرتا ہے یعنی صحیح، حسن، غریب وغیرہ و رواۃ کے سلسلہ میں جرح و تعدیل کرتا ہے اور اگر کسی راوی میں کوئی کمزوری ہے تو اس کو ذکر کرتا ہے۔ احادیث میں اگر کوئی لفظ نادر، غریب الاستعمال آتا ہے تو اس کے معانی ذکر کرتا ہے۔ تعارض روایات کو دور کرتا ہے۔ اگر روایات میں الفاظ فقہیہ ہوں تو مذاہب اربعہ کو ذکر کرتا ہے اور ماہو الامارح عندہ کو بیان کرتا ہے اور اگر کوئی راوی معروف بالکنیہ ہے تو اس کا علم ذکر کرتا ہے ان کے قبائل کو ذکر کرتا ہے۔ وجہ استدلال کو ذکر کرتا ہے۔ اور اس میں مکدرات بہت کم ہیں۔ اس کے بعد کتاب العلل ہے چونکہ ترمذی میں منافع بہت زیادہ ہیں اور اسکی ترتیب ابواب فقہیہ پر ہے اس کے مصنف شافعی المسلک ہیں۔ علماء ہند حنفی ہیں اس وجہ سے ان روایات پر جو مذاہب حنفی کے خلاف ہیں مکمل بحث کرنی پڑتی ہے۔ اور حدیث کو فقہی انداز سے پڑھانے کیلئے سنن ترمذی کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں اسلئے سنن ترمذی کو بقیۃ کتب صحاح پر فوقیت دی گئی ہے۔

بڑی پھیلائی ہوئی ہوتی تھیں۔ مذاہب کا بیان۔ دمار ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق و تنقیح
حدیثی نکات۔ سند و رجال کی پرمغز بخشش۔ تصوف کے اسرار و رموز۔ کلام و حکمت کی

دقیق باتیں سب کچھ ہی سبق میں زیر بحث آجاتا ہے مسئلے کے ہر ہر گوشے کو واضح کر دیتے

تھے۔ اسناد و متون پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ایک ایک لفظ کی تشریح کرتے اور مسلک

امام اعظم کو ساتھ ہی ساتھ ثابت کرتے جاتے تھے بعض اہم مسائل میں تنقیحات بھی قائم فرماتے

تھے اور ایک ایک تنفیج پر خوب دل کھول کر تقریر فرماتے بالآخر مسکد امام (ابو حنیفہ) کو بڑی

خوبی کے ساتھ رائج ثابت کر دیتے تھے۔ ایسا اوقات ایک ایک حدیث کئی کئی دن میں حل

فرمانی اور مسلک امام کو خاص طور پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ طلباء چاروں طرف

سے شبہات و اعتراضات وارد کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض اعتراضات مہمل بھی ہوتے

لیکن بہت سے وزنی بھی ہوتے تھے حضرت اکبرؑ کشادہ پیشانی کے ساتھ مسد کے جوابات دے

۲
رہے ہیں اور مطمئن کر رہے ہیں کبھی نہیں دیکھا کہ اعتراض کی بجائے مقبض یا مکدر ہوتے ہوں۔

۱۔ مولانا مسد النظر شاہ صاحب کشمیری خلاف حضرت العلام و نور شاہ کشمیری؟ الجمعۃ - شیخ الاسلام محمد نعیم ۹۸۵
۲۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی اردھی ۔ " " " " ص ۷۳

درس بخاری شریف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ درس کچھ ایسا تھا کہ بخاری شریف کا ایک پارہ پڑھ لینے کے بعد ہی ایک ذہین طالب علم کے اندر ایک خاص استعداد جلوہ گر ہو جاتی تھی اور وہ ترجمۃ الباب اور حدیث کے درمیان مطابقت کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتا تھا حضرت؟ دیگر متعدد کتب حدیث اور شروح حدیث کا حوالہ دیتے جاتے تھے ان کی عبارتیں پڑھتے جاتے تھے جس سے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جاتا تھا اور راہ تحقیق کشادہ ہوتی تھی^۱

حضرت خود بھی قرأت حدیث فرماتے تھے۔ جب وہ خود قرأت فرماتے تھے دار الحدیث کے باوجود درس و تدریس فرما شوق میں وجد میں آ جاتے تھے۔ ایک عجیب کیف اور سماں ہوتا تھا^۲

بخاری شریف کی جلد ثانی میں سیر و معاری سے متعلق بڑی لمبی چوڑی تقریر فرماتے اور تاریخی واقعات شگفتہ لب و لہجہ میں دل نشین کر دیتے اور پھر درس کے تمام حصہ کو اس اخلاص کے ساتھ طلباء کو کیسے مفید بنانے کی کوشش کی جاتی کہ جب تک طالب علم مطمئن نہ ہو جائے تو سبق شروع نہ ہوتا^۳۔ بخاری شریف کی جلد ثانی میں کتاب المغازی میں

۱۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امر دہی — المجمعۃ - شیخ الاسلام نمبر ۷۳ ص ۷۳
 ۲۔ ایضاً
 ۳۔ مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری — المجمعۃ - شیخ الاسلام نمبر ۷۳ ص ۹۱

باب تسمیہ من سنی اہل بلد فی الجامع النبوی محمد بن عبداللہ الحاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ ایاس بن
 الکبیر بلال بن رباع۔ مولا ابی بکر القرشی الی آخرہ لال بن امیۃ الانصاری ۱۱۔ پر سب طلباء
 سے دعا کرتے اور اسکی وجہ یہ تھیکہ لمحات میں مذکور ہے ۱۲۔ ان الدعاء عنذک ہم فی البخاری
 مستجاب ۱۳۔ بخاری شریں جلد ثانی۔ باب فضل فاتحۃ الکتاب ۱۴۔ کی دوسری حدیث کو
 پڑھانے کے سورہ فاتحہ کے ایک مخصوص عمل کی ان الفاظ کے ساتھ اجازت دیتے تھے ۱۵۔ یہ
 میرا تجربہ ہے اور مجھے اس امر کی اجازت ہے اور میں آپ حضرات کو اس کی اجازت دیتا ہوں ۱۶
 جب بخاری شریف میں مسواک فیض البواب شروع ہوئے تو آپ کا خاص طریقہ تھا کہ
 طلبہ کو مسواکیں عطا فرماتے۔ اس سال ابھی یہ البواب شروع نہیں ہوئے تھے کہ حضرت
 علیل ہو گئے جب حضرت مولانا فخر الدین ^{رحمۃ اللہ علیہ} کے درس میں مسواک کے ابواب آئے تو
 طلبہ نے حسب دستور مسواک کا مطالبہ کیا۔ حضرت نے بستر علالت سے کھڑا بھیجا کہ
 اس وقت مسواکیں موجود نہیں ہیں یہ میرے ذمہ قرض ہے انشاء اللہ ادا کروں گا۔ مگر اسکو
 اجل نے فرصت نہ دی تو وفات کے پانچویں روز ۷۱۷ ہجری الاول ^{۱۳۱۶} شنبہ کو صاحبزادہ
 مولانا مسعود ^{رحمۃ اللہ علیہ} نے یہ قرض ادا فرمایا ۱۷۔

خصوصیات درس

» درسگاہ میں داخل ہو کر آپ پہلے سلام فرماتے طلبہ بھی اس نعمت کے

منتظر رہتے تھے مگر جواب آہستہ دیتے تھے۔ حضرت نے عرب کو دور کرنے کیلئے ایک دن

فرمایا۔ دیکھو سلام کرنا سنت ہے اور جواب دنیا واجب ہے۔ ہم لوگ جواب نہیں دیتے

میرا کیا نقصان؟ لڑکے مقصد سمجھ گئے اور اسی دن سے باقاعدہ بلند و بلند السلام کہتے تھے

اس میں حضرت بہت خوش ہوتے تھے^۱

کپڑے انتہائی صاف اور عطر سے معطر دارالحدیث میں تشریف لے جاتے تھے^۲، دورانِ درس

آپ ہمیشہ بادِ غمور ہتے تھے اور خوشبو استعمال فرماتے تھے^۳ طلبہ کا بے حد ہجوم ہر ایک کا

خندہ پیشانی سے جواب دیتا۔ غلط اور بے معنی اعتراض کا جواب بھی اسی توجہ اور

التفات سے دنیا موقع بموقع علمی لطائف سے تازگی پیدا کرنا^۴، حلقہٴ درس میں ہمہ وقت

سکون اور اطمینان اور وقار قائم رہتا لیکن جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ طلبہ میں اضمحلال

پیدا ہونے لگا ہے تو درمیان میں کوئی ایسا لطیف بیان فرماتے کہ سب حرج و انبساط

۱۔ مولوی فضل الکریم خاں حسینی راسی، ملتان، الجمعۃ، شیخ الاسلام نمبر ۷۶۔

۲۔ الفضل، مولانا محمد قاسم علی صاحب بخاری، الجمعۃ، شیخ الاسلام نمبر ۶۹۔

۳۔ مولانا عزیز الرحمن بخاری، الجمعۃ، شیخ الاسلام نمبر ۷۲۔

سے کھل جاتے اور تازہ دم ہو جاتے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے سوال کیا کہ۔
 مکہ معظمہ کی کھجوریں غنایت فرمادیجئے تو ارشاد فرمایا۔ کیا مکہ معظمہ میں کھجوریں پیدا ہوتی
 ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ^۱ رَبِّ اِنِّیْ اَسْکَلُکَ مِنْ ذَرِیَّتِیْ لَوْ اَدْعٰی زُرِّیْعَہٗ
 عِنْدَ بَیْتِکَ الْحَرَامِ۔ و آیت۔۔۔

ترجمہ۔ اے میرے رب اپنی اولاد کو بنجر داری میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کرتا ہوں۔
 دورانِ درس جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آتا تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام فرماتے
 اور اگر کسی صحابی کا نام تھا تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سند حدیث میں دوسرے
 وکابر کے ساتھ آتا تو رضی اللہ عنہ و عنہم فرماتے اور اگر ائمہ مذہب، علماء و اولیاء
 کا نام آتا تو حمہ اللہ تعالیٰ فرماتے بشرطیکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہوں۔ اس پر پابندی
 سے خود بھی عمل فرماتے اور طلباء کو بھی تاکید فرماتے ^۲۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں۔
 بخاری و ترمذی کے درس میں غفلت کرتا تھا مولانا کا استحضار اور مسئلہ کی مبسوط
 تقریر ان لوگوں کیلئے کئی بات ہے جو مولانا کی سیاسی مصروفیتوں اور سفروں کی

۱ مولانا مفتی عزیر الرحمن صاحب
 ۲ مولانا محمد قاسم علی صاحب بجنوری
 تذکرہ مشائخ دیوبند
 ماہنامہ - الجمعۃ - شیخ الاسلام نمبر ۶۹

کثرت سے واقف ہیں۔ ایک مسئلہ پر بعض اوقات تین تین - چار چار دن مسلسل (۶۰ منٹ کے تعلیمی گھنٹہ میں) تقریر جاری رہی اور مسئلہ کا مالہ دماغیہ - ائمہ کے اختلاف و مذاہب اور ان کے دلائل و مآخذ متن و اسناد و رجال کی بخشش جربہ و سب پر مولانا کی قرأت حدیث مولانا کا مخلصوں دلکش مہجم اور دارالحدیث کی روحانی و پرسکینت فضا و ابھی تک آنکھوں میں ہے۔ درمیان میں طلبہ کے سوالات کا (جس میں غیر متعلق بھی ہوتا تھا) تحمل کے ساتھ جواب دیتے تھے^۱۔

معلمین سے دوران درس بے تکلفانہ خطاب فرماتے اور بحکم حدیث نبوی ”انما انا لکم مثل الوالد لولده“ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ دارالحدیث میں ایک مشفق باپ اپنی اولاد سے کھیل رہا ہے^۲۔

درس حدیث کے وقت مرویات اور روایت دونوں اعتبار سے پورا بیان فرماتے تھے متن حدیث اور سند حدیث میں اگر کہیں کمزوری یا ضعف یا اضطراب ہوتا اس کو مع حوالہ بیان فرما کر اپنی رائے بھی بیان فرمادیتے مگر دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حدیث کے مرواۃ کے باب میں کلام کرتے وقت مرواۃ سے متعلق مشہور واقعہ کو بھی بیان فرمادیتے تھے۔ مثلاً جامع ترمذی کے

۱۔ مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ - پرانے چراغ -
 ۲۔ مولانا محمد قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ - بجنوری -
 ماہنامہ - الجمعینہ سحہ الدہلیہ نمبر ۶۹

”باب ما یقول اذا دخل الخلاء“ میں مصنف کے کلام۔ و فی اسنادہ اضطراب۔ پھر فرمایا
 فرماتے ہوئے قتارہ؟ (جو رواہ حدیث الباب المذكور میں ہے) کے بارے میں بیان فرمایا
 کہ قتارہ تابعی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں ۶۱ سنہ ۳۱ھ میں پیدا ہوئے ان کا حافظہ
 بڑے غضب کا تھا عالم نہایت وسیع تھا سعید بن مسیبؓ جو بڑے تابعی ہیں ان کی خدمت
 میں حاضر ہوئے تین دن تک برابر حدیث سنتے رہے اور اعتراضات کرتے رہے تیسرے
 روز سعید بن مسیبؓ نے فرمایا۔ اے اندھے لکل جاتوئے تو مجھے خشک کر دیا کیا وہ احادیث
 تو نے جو مجھ سے سنی ہیں سنا سکتا ہے۔ قتارہ نے تینوں دنوں کی حدیث سنا ڈالیں
 تب سعید ابن مسیبؓ نے فرمایا کریں نے مجھ جیسے حافظ کا آدمی نہیں دیکھا۔ غرضیکہ
 ہمارے حضرت حدیث پر، روایت سے کلام کرتے تھے۔ حدیث قلین پر اکیاون^{۵۱}
 اعتراضات شواہخ پر جڑ دیئے اور ہر اعتراض کو مدلل بیان فرمایا اور حنفی مسلک
 کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے واضح طور سے ثابت فرمایا کہ عقل و نگ رہ گئی۔ عموماً
 ایسا ہوتا تھا کہ مخالف مسلک کے مستدل کو اپنے مسلک کا مستدل بنادیتے تھے۔^{۵۱}

قد ذکرہ مشائخ دیوبند

۱۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی مجنور

و
 مآبہ الجمعۃ۔ شیخ الاسلام مجتہد ۷۲

باب پنجم

تعارف علم حدیث

یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جولائی ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں

شائع کیا گیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درس ترمذی شریف کی افشانی تقریر ہے۔

علم حدیث :- الحدیث علم يعرف به ما نسب الى النبي صلى الله عليه وسلم قولاً او

فعلاً او صفتاً او تقريراً۔ لفظ حدیث جدید کے ہم معنی ہے اور ہر گفتگو حدیث ہے مگر اصطلاح

شرع میں اس کی تعریف یہی کی گئی ہے۔ ما نسب الى النبي صلى الله عليه وسلم۔ غیر دخل فیہ

الموضوع والصحيح كلاهما لان في الموضوع ايضا نسبة الى النبي صلى الله عليه وسلم۔

لہذا اس کی تخصیص کیلئے علم لوف بہ کی قید لگادی گئی تاکہ ہر منسوب الیہ کی معرفت

کے بعد انتساب کی ہمت و سقم کا عرفان ہو جائے اور اس سے موقوفہ وغیرہ نکل جائیں

صفتاً۔ سے مراد ہے کہ آپ کے جسمانی حالات یا روحانی کمالات کا ذکر کیا جائے

مثلاً آپ کا رنگ، آپ کا قد، آپ کی نیرند، آپ کی چال ڈھال تو یہ صفت ہے

اور اگر آپ کے اخلاق بتائے جائیں کہ آپ اجود الناس و اصدق الناس تھے لوگوں

کے بوجھ اٹھایا کرتے تھے تو یہ احوال روحانیہ ہوئے۔ احوال مادیہ کی طرح یہ بھی صفت ہے۔

تقریر النبیؐ ۱۔ . والتقریر ما علمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فعل رجل او قوله
ولم ينکر علیہ . نبی صلی اللہ کے سامنے کسی کا قول یا فعل ہو اور وہ خاموش رہ جائے
انکار نہ کریں تو یہ اسکی صحت کیلئے حجت ہے . اسی کا نام تقریر ہے . لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے علاوہ کسی کی تقریر حجت نہیں ہے کیونکہ صرف نبی کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ ان کے
سامنے اگر کوئی قبیح قول یا فعل ہوگا تو اس پر سکوت نہیں کر سکتے اسکی نگرنا ان کیلئے
ظہوری ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قول وقرار اور وعدہ وعید کے
باوجود اپنے سامنے فعل منکر دیکھا تو ان سے رہانہ گیا فوراً اعتراض کر دیا . حضرت خضرؑ
کی دھکیاں سنتے رہے مگر شان نبوت ہر جگہ غائب رہی چنانچہ جب کشتی توڑی گئی تب
اعتراض کیا پھر لڑکے کو بلا وجہ قتل کیا گیا تو اور زیادہ برا فردختہ ہوئے حتیٰ کہ جب دیوار
کو سہارا دیکر اسے ٹھیک کر دیا تب بھی ضبط نہ کر سکے یہ منصب نبوت کا اثر ہے . کسی صحابی
یا غیر صحابی کی تقریر اسلئے حجت نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کے رد پر کوئی فعل یا قول
منکر ہو جائے اور وہ اس پر سکوت کر جائے . حدیث کی بہترین محدثین نے کی ہے اہلین
نے اس میں ایک قید کا اور اضافہ کیا ہے یعنی « غیر القرآن » اور یہ مراد ان اچھی ہے کیونکہ
گفتگو بہر حال غیر قرآن کی ہے .

عصمت انبیاء کرامؑ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و کبریاء معصوم ہیں
 و علیہ اہل السنہ والجماعۃ و اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر محبوبی و مخلص ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ
 کہتا ہے: «انا اخلصناہم بحالۃ» ذکر الکہار: نیز ارشاد ہے: «وعندنا لمن
 المصطفین الاخیار» مقررین الہی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک محبوبی جن کو پہلے سے چھانٹ
 لیا گیا ہو۔ دوسرے منیب جن کو کثرت و یا ہدیت سے بڑائی حاصل ہو جاتی ہے جیسے امراء
 و سلاطین کے یہاں کسی پر شروع سے ہی نظر انتخاب پڑ جاتی ہے تو اس کو شروع ہی
 سے تربیت کے سامان مہیا کر دئے جاتے ہیں اور پھر اس سے کسی دقت غفلت نہیں ہوتی
 جاتی لہذا وہ بہت جلد جوہر قابل بن کر نکھر جاتا ہے اس کو اجنبی و اعدا غفلت کہتے ہیں
 بخلاف اس شخص کے جس کو اسکی دانائی یا تجربہ کی بناء پر عہدہ دار بنادیتے ہیں۔
 اس کو بادشاہ خود نہیں چنتے بلکہ وہ اپنی کوشش جدوجہد سے کامیابی تک پہنچتا ہے
 قرآن کہتا ہے: «اللہ یحب الیہ من یشاء» اسی وجہ سے نبی کے ماں باپ کا
 کافر ہونا ممکن ہے مگر ان کے والد والدہ کا بدکار یا زنا کار ہونا ممکن نہیں ہے جسکی
 وجہ سے اختلاف ماء کا اندیشہ ہوا درجہ قابل نفرت ٹھہر جائے۔

مجتہبیٰ و مصطفیٰ :- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قدرت نے جو بڑا دکھایا

ہے اس میں اجتہبیٰ کی شان جھلکتی ہے کیونکہ ایسی جگہ پیدا کئے گئے جہاں ایسی تربیت کرنے کا کوئی سامان نہ تھا اور والد کو پہلے ہی اٹھالیا گیا پھر والدہ کو اس کے بعد دادا کو بھی تربیت کیلئے صرف چارہ گئے مگر وہ بھی کثیر الادلاد اور تنگ حال تھے انھوں نے کیا بھی تو صرف یہ کیا کہ آپ کو بکریاں چرانے کیلئے امرای کے پاس ملازم رکھ دیا۔ مکہ میں گھاس بھوس نہ ہونے کی وجہ سے آپ جانوروں کو لیکر شہر سے دس دس میل دور نکل جاتے تھے اور خود شہر تک بھی بالکل جاہل تھا اور ایسا اس وجہ سے کیا گیا کہ جناب باری تعالیٰ کو گوارہ نہ تھا کہ آپ کو والد، والدہ، دادا اور چچا تربیت دیں۔ اسلئے جناب باری تعالیٰ آپ کے خود معلم ہو گئے اور اسی ہونے اور ایسے جاہل علاقے میں رہنے کے باوجود آپ علوم لائے اور بھی ایسے علوم کو صحابہ کرام کو صرف اپنے ہی مدرسہ میں رکھ کر جبریل، عالم، ہونہی، حکمران اور بادشاہ بنادیا انہیں ایسی ایسی تعلیم دی کہ فارس، روم اور مصر کے لوگوں کے چمکے چہرے لڑ گئے۔ اسی طرح فصل خصوصیات کیلئے ایسے ایسے قاضی پیدا کر دئے کہ بڑے بڑے جج آج تک دنگ رہ جاتے ہیں۔ غرض آپ نے صحابہ کو ہر طرح سے کامل بنادیا کسی کو سیاست میں ماہر جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ۔

کسی کو قانون سازئی میں ماہر جیسے عبداللہ بن مسعودؓ کسی کو تصون میں باکمال کر دیا تو جو لوگ مخلص اور مجتہبیٰ ہوتے ہیں ان کو اسی طرح تعلیم دی جاتی کہ میدان میں بیٹھ کر حقائق و دقائق کی ایسی دنیا سنو اور دی کہ بڑے بڑے دانشور دنگ رہ گئے۔ یہ تمام نشانیں آپ کے مجتہبیٰ ہونے کی ہیں کہ قوم کے سب سے بڑے خاندان میں پیدا کیا گیا اور سچے تعلیم دی گئی کہ پھر کسی دوسرے کو استاد بنانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔

شئون حفاظت :- جو شخص مجتہبیٰ ہوگا وہ فحشی اور برائیوں سے ہمیشہ بڑی

رہیگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی یوسف علیہ السلام۔ "ولقد ہمت بہ ہم بہا لولانا

رای برہان ربہ" کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی ہم کا صدر در ہو جاتا اگر برہان رب

نہ دیکھ لیتے۔ البرہان المشہور فیہ ان جبریل ائی فی صوره یعقوب علیہ السلام

وکان الاصحیح تحت السنانہ اشارۃ الی المنع " اگر یہاں ہمت بہ " پر وقف کر کے پڑھئے

تو یہ معنی ہونگے۔ لیکن اگر وقف نہ کیا جائے تو ہم " کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کو مہیظون

معلوم ہوتی ہے۔ لغت میں جو خیال دل میں گزر گیا تھمس کہلاتا ہے اگر دل میں قرار دیا گیا تو

خطر ہے اور میدان ہو گیا تو حدیث النفس ہے اس سے لذت ملنے لگی تو ہم " اگر اسکا

پختہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو جرم ہے۔ فقہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " الجسد بالمعصیۃ

لیس بمعصیۃ دان عنہم بہا فہو معصیۃ : اس بناء پر اگر یہاں : ہضم بالمعصیۃ : ہو بھی
تو وہ معصیت نہیں ہے مثلاً سارق نے اگر سرقہ کا ارادہ کر لیا تو جب تک اس سے فعل سرقہ
صادر نہ ہو جائے اس تک گنہگار نہیں ہوگا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کو ہضم کی نسبت حضرت
یوسف علیہ السلام کی طرف پسند نہیں اسلئے اس مقام پر اس سے حفاظت فرمادی اور پھر خود ہی
اسکی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں : کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء وانہ
من عبادنا المخلصین : گویا مخلص کو گناہ ہی سے نہیں ۔ شاہد گناہ سے بھی بچایا جاتا ہے
اسی لئے اہل سنت والجماعت تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں ۔ وقال الامام
ابوالحسن الاشعری العصمۃ لا تنزل ۔ معصیت کبھی زائل نہیں ہوتی ۔
اب رہی یہ بحث کہ حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کیسے ہوگئی ؟ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے قبیلہ کو کیسے مار ڈالا یا اخوانِ یوسف علیہ السلام سے معصیت کیسے ہوگئی ؟
جواب یہ تھیکہ ایک چیز عمداً ہوتی ہے ۔ ایک غلط فہمی سے ہو جاتی ہے ۔ دونوں میں بڑا
فرق ہے ۔ اسی لئے اگر کسی نے ہرن سمجھ کر آدمی کو مار ڈالا تو اس پر قصاص نہیں ہے ۔
حالانکہ وہ بھی بظاہر قتل السانہ ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا شیطان کی یقین
دہانی پر اور اس کی اچھی باتوں کے چکر میں آنے کی وجہ سے کیا ۔ قرآن شاہد ہے ۔

”وقاسمہا انی لکما من الذاصحین“ نیز اس نے کہا تھا ”فتکونوا من الخالذین“
تو قرب خداوندی کے حصول کیلئے وہ دھوکا کھا گئے اور قائل کے احوال پر نظر نہیں کی اسکی
باتوں کو مان لیا اسلئے ان سے جو ہوا وہ مصیبت نہیں تھی۔ قرآن کہتا ہے۔

”قلیٰ ولہ نجدہ لغرما“ مگر نزدیکیاں راہیں بود حیرانی۔ اسلئے عتاب میں آگئے
اس طرح کے جو بھی واقعات ہیں ان میں قصہ نہیں لسیان ہے یا غلط فہمی ہے کیونکہ
قبطی کو اس نیت سے نہیں مارا تھا کہ مر جائے مگر وہ ایک طمانچہ کی تاب نہ لاسکا۔

اسی طرح اخوان یوسف ہیں انھوں نے جس مقصد کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو
والد کے سامنے سے ہٹایا ہے وہ خود کہتے ہیں ”فتکونوا من بعد قوم صالحین“ گویا
تم باپ کی نگاہوں سے دور نہیں قریب ہو جاؤ گے تو ان واقعات پر مقاصد اچھے ہیں
افعال خراب ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کفار کو گرفتار کرنے کے بعد
صحابہ سے مشورہ کیا تب فرمایا تھا کہ فقر و فاقہ دور ہو۔ جہالت ختم ہو مگر اللہ تعالیٰ نے
عتاب فرمایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن ابی سے مرتے وقت جو سلوک
فرمایا ہے کہ اپنا کرتہ کفن کیلئے دیا۔ منگو میں لعاب دین ڈالا۔ خود جناب کی نماز پڑھائی
اس سلوک کو دیکھ کر ایک ہزار آدمی جو اس کے ساتھ تھے مخلص ہو گئے تھے مگر اس پر بھی

اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا حالانکہ یہ چیزیں معصیت نہیں ہیں مصلح شرعیہ ہیں
 مگر دوسری مصلح کے پیش نظر عتاب ہوتا ہے اور کبھی ترقی درجات کیلئے کبھی ان پر
 جاتی ہے اسی لئے شقی وہ ہے جو گناہ کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا اور تقی وہ ہے
 رتا ہے مگر اس کو چین نہیں آتا تا وقتیکہ توبہ نہ کر لے۔ مگر نبی وہ ہوتا ہے جو
 کے صدور سے معصوم و محفوظ ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں گناہ
 نہ کی قدرت نہیں رہ جاتی اگر قدرت ہی نہ رہ جائے تو بچنے میں کمال کیا رہیگا۔ ان
 وجہ سے نبی کے اقوال اس کے فعل اور اس کی تقریرات کو قبول کرنا ضروری ہے۔

اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باری تعالیٰ نے بعثت نبوی کا مطلب ہی بتایا ہے ۛ لقین للناس
 ما نزل علیہم ۛ جس معلوم ہوا کہ جو کچھ اور جس قدر بھی احادیث نبوی ہیں وہ کلام الہی کا بیان
 اور تفسیر ہی ہیں اور قرآن شہید ہے ۛ ما یذوق عن الہوی ان ہو وحی یوحی ۛ اس
 بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور قول رسول میں کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ واقعہ ایسا
 نہیں ہے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے آپ کے اقوال وحی میں مگر غیر
 معتبر بالفاظ من اللہ تعالیٰ بخلاف قرآن کے کہ وہ وحی ہے ۛ معتبر بلفظ من اللہ عز وجل ۛ

یعنی الفاظ و حروف کی ترکیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہوئی ہے۔ گویا حدیث میں معانی کا القاء ہوتا ہے اور انھیں میں پیغمبر اپنے الفاظ میں مناسب طور پر ظاہر فرمادیتے ہیں مگر قرآن میں معانی اور الفاظ دونوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہے یہی وجہ تھی کہ احادیث کی فصاحت و بلاغت قرآن کی طرح حدِ اعجاز کو نہیں پہنچ سکی بعض علماء نے حدیث اور قرآن کا فرق یوں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔ رہا حدیث قدسی اور قرآن میں فرق تو صرف اس قدر ہے کہ احادیث قدسیہ معتبر بالفاظ و معناہ۔ ہونے کے باوجود منقول بنقل متواتر نہیں ہوتیں اور قرآن معتبر بالفاظ و معناہ من اللہ تعالیٰ ہو کر متلو ہے اور منقول بنقل المتواتر ہے۔

تفسیر و تاویل :- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وحی غیر متلو ہونے کی وجہ سے کلام اللہ کی تفسیر ہو سکتے ہیں کیونکہ تفسیر بیان ما هو المراد کا نام ہے اور مجاز نبی کے دوسرا کوئی مستکلم (اللہ تعالیٰ) کی مراد ظاہر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا بخلاف تاویل کے کیونکہ اس میں۔ ما یحکم ان یشکون صراحتاً مستکلم۔ ہونا معتبر ہے اسلئے اس کو غیر نبی بھی کر سکتا ہے نیز جس طرح آپ کے اقوال کتاب اللہ کی تفسیر و بیان فرماتے ہیں اسی طرح آپ کے اقوال اور تقریرات بھی قرآن کیلئے "المتبین للناس" کا فائدہ دیتے ہیں چنانچہ

و محض اقوال، افعال اور تقریرات سے آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری تعلیم و تربیت فرمائی۔

افعال النبیؐ :- اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو انسانوں کو سدا ہمارے کیلئے بھیجا تھا محض تبلیغ کیلئے نہیں پیدا کیا تھا اسلئے کہ صرف تبلیغ تو فرشتوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ ہر شہادت آسمان سے برسائے جاسکتے ہیں مگر اس سے انسانیت سدا ہماری نہیں جاسکتی تھی وہ اسی وقت ممکن تھی کہ کوئی معلم خود قوم میں نمونہ بن کر موجود ہو اور اپنے عمل و کردار سے اس کو سدا ہمارے اسلئے انبیاء علیہم السلام صرف کہنے کیلئے نہیں آئے بلکہ کام کرنے اور کرانے کیلئے بھیجے گئے اور چونکہ نبی اور خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اسلئے اگر یہ واسطہ فرشتہ یا جن ہوتا تو وہ انسانوں سے اس قدر ہمدردی اور سلوک نہیں کر سکتا تھا جس قدر اس سے انسان کر سکتا ہے کیونکہ انسانوں کی تکلیف کا اندازہ انسان ہی کر سکتا ہے جن و ملک کو اس کا احساں نہیں ہو سکتا۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے » لقد جاءکم رسول منکم « پھر آپؐ کی بعثت ہوئی ہے تو اس شان سے کہ آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہے بڑھاپے کا آغاز ہو رہا ہے نبی نبوت

سپر کی جاتی ہے اس کے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ معظمہ میں صبر و ضبط یا عدم تشدد کی زندگی گزارتے ہیں اور جب چودھن برس کی عمر میں بڑھاپا آچکا ہے تو جہاد فرض کیا جاتا ہے اور آپ ہم تنہا نہیں جاتے ہیں وہ بھی اس طرح کے پہاڑوں اور ریگستان کا سفر ہے اونٹوں پر چھوٹے ہوئے سفر کرنا ہے اس کے باوجود آپ نے نو سال کے اندر ستائیس جہاد فرمائے ہیں اور اس ادنیٰ العزیز کے ساتھ کہ تہجد کی نماز تک پیش چھوٹی انسانیت عامہ کی بھلائی اور اپنے فرض منصبی کی تکمیل کیلئے اس طرح مشقت کر کے رکھنا سب سے بڑی بات ہے۔

خلاصہ بحث :-

ان ہی وجوہ سے نبی کی زندگی کا ہر لمحہ قابل تقلید اور قابل الہامیت بن جاتا ہے اور انہیں سے پیغمبر لوگوں کیلئے نمونہ بن جاتا ہے اور باری تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ تم بھی اسی نمونہ کی طرح بن کر رہو قال اللہ تعالیٰ۔
 ”لقد کان لکم فی سیر اللہ اسوۃ حسنہ“ وقال ”انک لعلیٰ خلق عظیم“
 جناب صہبہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے نقش قدم پر اس طرح چلے کہ جب عیسائیوں نے ان کا انہماک اور ان کی کارکردگی دیکھی تو حیرت سے کہنے لگے یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ کے حواریین سے بھی بڑھ گئے یہ تھا حضور کی صحبت کا اور آپ کی بے پناہ محنت و مشقت کا اثر اسلئے اگر اس کام کیلئے فرشتہ آتا تو چیزیں نہیں حاصل ہوتی تھیں یہ تھی علم حدیث کی تشریف جو ایک سانپ دھکا سے آئی۔

موضوع علم حدیث :- رب رہا حدیث کا موضوع : فہو ذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم من
 حیث انہ مرسل لا من حیثیات آخر مثلاً الانسانیہ والبشریہ ، آپ کی حیثیت
 ماریت کی بھی ہے جو ہریت کی بھی ہے لیکن علم حدیث میں اس سے بحث نہیں ہوگی جو ہوگی وہ
 من حیث السالہ ہوگی کیونکہ آپ کے اقوال ، افعال اور تقریرات زیر بحث آئیں گی
 نیز آپ کے روحانی کمالات و صفات کا ذکر ہوگا جو باعث برکت بھی ہے باعث اطمینان قلبی بھی
 آپ کے خلق عظیم کا تذکرہ ہوگا جس کو خود اللہ تعالیٰ نے بطور عظمت پیش فرمایا ہے ۔
 « و انک لعلی خلق عظیم » اس طرح بعض ایسی چیزوں کا بھی ذکر ہوگا جو آپ کی
 ذات کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح فرمانا
 جس سے امت کو آپ نے منع فرمایا مگر عام طور پر ان ہی علوم کی بحث ہوگی جن کو آپ نے
 امت میں پھیلا دیا اور اس طرح پھیلا دیا کہ ہر زمانے میں بہت سے دوست بہت سے دشمن
 پیدا ہوتے رہے اور ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ آج تک ان علوم منہوت پر
 دھبہ نہ ڈال سکے اس وجہ سے کہ ان علوم کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے لہذا ان کا مٹنا کسی
 انسان کے بس کا روگ نہیں اسی بنا پر انبیاء سابقین علیہم السلام کے علوم میں سے کیونکہ

جب تک وہ حضرات موجود رہے ان کے علوم کی حفاظت کی گئی ان کے بعد باری تعالیٰ نے ان علوم کی حفاظت کا وعدہ نہیں فرمایا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تو کس کی مجال ہے اس کو مٹا سکے۔ تو جن اقوال افعال اور تقریرات کو ہم تک پہنچانے کیلئے اس قدر اہتمام فرمایا گیا ان کا ذکر کرنا باعثِ ثواب بھی ہے باعثِ فلاح دارین بھی۔

اقوال صحابہ کی حیثیت :- بعض حضرات بقول صحابہ کو بھی حدیث میں داخل کیا

ہے اور وہ اس حیثیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
 «خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ» چونکہ خود حضور نے امت کے اس طبقہ کو جواب کے براہ راست فیض یافتہ میں خبر القرون کا لقب دیا ہے اسلئے ان کے اقوال افعال اور تقریرات کو حدیث میں شامل ماننا چاہئے وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کیلئے یہ امت مرحومہ قیامت میں بطور شاہد پیش ہوگی جس کا قرآن شاہد ہے کہ ان کی امتیں جب اس سے انکار کریں گی کہ ان کے پاس کوئی نبی آیا تھا اور اس نے دین اسلام پہنچایا تھا اور کلام خداوندی منبایا تھا وہ تو کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی پہنچایا ہی نہیں تو ہم کیسے ایمان لاتے ایسے دین میں امت محمدیہ کو بطور شاہد بلا یا جاوے گا

اور یہ امت شہادت دے گی کہ انبیاء سابقین نے ان لوگوں کو احکام خداوندی پہنچائے تھے اس پر اہم سابقہ اعتراض کریں گی کہ یہ لوگ تو ہمارے بعد کے ہیں ہمارے زمانہ میں تھے ہی نہیں اس لئے ان کی شہادت کیسی۔ اس پر امت کے لوگ خصوصاً صحابہ کرام پیش ہوں گے کہ ہکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ اس قوم پر یہ نبی آئے تھے اور انھوں نے احکام خداوندی پہنچائے تھے تب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا یا جادیا گیا اور آپ سے پوچھا جائیگا تو آپ فرمائیں گے کہ ہاں میں نے کہا تھا کہ انبیاء سابقین نے اپنی اپنی امتوں میں اپنا فرض ادا کر دیا تھا ان کی امتیں آج غلط کہتی ہیں اس پر باری تعالیٰ کا حکم ہوگا اہم سابقہ کو لیجا کر جہنم میں ڈال دو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کا عند اللہ معتبر ہوگا اور وہ بھی حدیث کے اندر شامل مانا جائیگا نیز اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ "الصحابہ کلہم عدل" اور حدیث میں آیا ہے "الصحابی کما النجوم فیالعصہ اقتدیتہ" یعنی جیسے ستاروں سے راستہ ملتا ہے اسی طرح صحابہ کرام سے ہدایت ملتی ہے اس لئے امت کا فیصلہ ہیکہ بڑے سے بڑا ولی بھی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر آج کل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو صحابہ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے اسے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے حضرات کے دور میں بھی جاہلیت کا دخل نظر آتا ہے حالانکہ اس کو منبر ہدایت رسول اکرم نے خیر القرون سے تعبیر فرمایا تھا۔

موضوع حدیث کی بالا آئی۔ من حدیث اپنے موضوع کی برتری کی وجہ سے تمام علوم و فنون سے بالاتر ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور ان میں افضل انبیاء کرام علیہم السلام ہیں پھر ان میں افضل رسول ہیں پھر ان میں افضل اولوالعزم ہیں اور یہ افضلیت اگر ختم ہو گئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اسلئے علم حدیث تمام علوم میں افضل و اشرف معلوم ہوا کیونکہ اس کا موضوع آپ کی ذات گرامی ہے جس کیلئے تمام کائنات پیدا کی گئی اور جو ذات لوح و کرسی ہی نہیں عرش عظم سے بھی افضل ہے اس لئے جس علم کا موضوع آپ کی ذات مقدسہ ہوگی وہ تمام علوم میں افضل ہوگا۔

غرض و غایت حدیث :۔ رہا یہ سوال کہ اس علم کی غرض و غایت کیا ہے تو اس کی بہت سی غایات ہیں ۔ ۱۔

۱۔ الوصول الى رضا الباری تعالیٰ بالتبایع احکام اللہ ورسولہ والاتباع لا یكون الا بالاقوال والافعال والتصریحات فالغرض بالعبودية فی قوله تعالیٰ۔

۲۔ اتبعونی یحببکم اللہ لا یكون الا بعد العلم باحادیث الرسول ۳۔ نیز رضا باری تعالیٰ اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مرادات باری تعالیٰ معلوم ہو جائیں اور اس کے لئے عزت دینے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمادیں جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔

”تِلَاوَتِهِمْ آيَاتِهِ وَتَرْكُهُمْ دِيَارَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ نیز ارشاد ہے ”وَلَقَدْ عَلَّمَهُ الْكِتَابَ“
اور ہم لوگوں کیلئے ان چیزوں کا حصول علم حدیث پر موقوف ہے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ رضا الہی
کا اثر اس علم حدیث کے اندر مضمر ہے ۔ تو علم حدیث سے احکام الہی کی تفصیلات کا علم ہوگا اسی
سے تعلیم کتاب ہوگی اسی سے تعلیم حکمت ہوگی اور یہی چیزیں رضا باری تعالیٰ کا مدار ہیں تو علم حدیث
کی یہ غایت بہت بڑی غایت ہے ۔

۲۔ اس کی دوسری غایت بھی ہے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”لَقَدْ عَلَّمَهُ اللَّهُ رَجُلًا
مِنْ سَبْعَةِ مِائَاتٍ“ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص دستغفال بالحدیث رکھے گا اس کو
قیامت میں اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فیوض الرحمن
میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے قبر مبارک پر مراقبہ کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سینے سے اشتغال بالحدیث رکھنے والوں کے سینوں تک ایک نورانی تار اٹھا ہوا ہے ۔ اسلئے
حضرت شاہ صاحب نے اشتغال بالحدیث کی بہت وصیت فرمائی ہے خواہ وہ کسی بھی حیثیت
سے ہو ۔ ہمارے لئے یہ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اس علم حدیث کے ذریعہ دو افتادہ
انسانوں سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہے ۔

{ الفت کا جب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بیقرار
دونوں طرف ہوا آگ برابر لگی ہوئی }

- ۳۔ اصول کی بات ہیکہ آدمی کو جس کی باتوں سے اشتغال ہوتا ہے اس سے مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے اگر آپ فلسفہ میں مشغول رہتے ہیں تو فلاسفہ سے مناسبت بڑھے گی اگر علمِ نفسیہ سے اشتغال ہوگا تو باری تعالیٰ سے تعلق بڑھے گا اور اگر علمِ حدیث سے مناسبت بڑھے گی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور رابطہ پیدا ہوتا چلا جائے گا اور چونکہ کلام اور تکلم کے درمیان بڑی مناسبت ہوتی ہے اسلئے جس علم و فن میں آپ مشغول رہیں گے اس کے اشتغاف و درجات آپ پر مرتب ہونگے۔ اگر آپ منطق و فلسفہ میں ذوق و مشوق سے لگے رہیں گے تو تکبر کی شان پیدا ہوگی۔ اگر عربیت سے اشتغال ہوگا تو آپ میں سفاکت کی شان آوے گی اسلئے ضرورت ہیکہ علمِ حدیث سے اشتغال بڑھایا جائے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت آپ میں بیدار ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسبت بڑھتی جائے۔
- ۴۔ اسی طرح علمِ حدیث کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کیلئے یہ دعا فرماتے ہیں جو لوگ آپ کے کلام کو سنتے ہیں پھر اس کو یاد رکھتے ہیں اور اسکے بعد لوگوں تک پہنچاتے ہیں یہ بات دیگر علوم و فنون میں نہیں ہے مثلاً نحو، صرف، منطق، فلسفہ اعلیٰ دین و غیرہ حتیٰ کہ خود فقہ کے اندر بھی نہیں ہے کہ آپ کی دعائیں لے سکے جو یقیناً مقبول ہوں گی۔
- ۵۔ اس علم کی ایک غایت یہ ہیکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ اور

ہاں اللہ و ملائکہ لصلون

اسکے فرشتے درود و رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو

علی النبی یا ایہا الذین امنو

تم بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجی کرو۔

صلو علیہ وسلموا تسلیما۔

اور خدا کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریلؑ نے بشارت دی ہے کہ کیا تم اس پر

راضی نہیں ہو کہ جو شخص تم پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسے مقرر کر دی ہے کہ جب کوئی

درود بھیجے تو وہ اسے میرے پاس پہنچا دیا کرے اس طرح آپؐ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص

بڑا بخیل ہے جو میرا نام لے کر اور مجھ پر درود نہ بھیجے۔ ظاہر ہیکہ علم حدیث کے اشتغال میں

جس قدر درود شریف پڑھا جاتا ہے اتنا کسی دوسرے فن میں نہیں ہوتا کیونکہ ہر حدیث میں

کم از کم ایک مرتبہ ضرور آپؐ پر درود پڑھا جائے گا۔ اتنا درود کا موقع نہ تفسیر میں ہے

نہ فقر میں۔ علم حدیث کی یہ بھی ایک عظیم الشان غایت ہے۔

۶۔ نیز علم حدیث کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ مسلمان جب تک علوم نبوت اور سنت نبویؐ پر

عامل رہے دنیا میں سترتا بنے رہے اور جب سے طریقہ نبوت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے

اس وقت سے دنیا و آخرت دونوں کی نعمتوں سے محروم ہوتے چلے گئے تو علم حدیث سے

تعلق پیدا کر کے دونوں جہان کی فلاح حاصل کی جا سکتی ہے۔

۷۔ نیز ایک بات اور ہے کہ شریعت میں اصل الاصول قرآن مجید ہے مگر اس کی تفسیر بغیر علم حدیث کے ناممکن ہے کیونکہ اگر قرآن کے معانی کیلئے جو جی چاہے کہہ دیا تو آپ کا ارشاد ہے "من فسر القرآن برأیہ فلیتبعوا مقعدہ من النار" اور یہ کہتے کہ اس آیت سے مراد خداوندی میری سمجھ میں آتی ہے تو اس کا ناکام وکیل قرآن ہے۔ تفسیر آیت تو نہ ہوئی تو علم حدیث کی ایک غایت تفسیر قرآن بھی ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ من حدیث من تفسیر بھی اشرف ہے کیونکہ من حدیث کے بغیر تفسیر قرآن معالویش ہو سکتی۔

تدوین قرآن و حدیث وفقہ — علم حدیث کا بہت بڑا مسئلہ کتاب اللہ

کی تدوین پھر اسکی حفاظت کا ہے باری تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا "انما نحن خیر لنا الذکر و انما لہ لحاظون" اس میں حفاظت کا بھی وعدہ ہے۔ قاعدہ کی رو سے "ای" ہونا چاہئے مگر تعظیم پر دلالت کرنے کیلئے "اینا" لاتے ہیں کیونکہ کسی بڑی شئی کے لئے ارشاد بھی تعظیم سے کئے جاتے ہیں۔

نزول قرآن — قرآن مجید کو یکبارگی نہیں نازل کیا گیا بلکہ شیفافشیاً

حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا اس لئے کہ اگر یکبارگی نازل ہو جاتا تو اس کا یاد کرنا دشوار ہوتا

نیز ہو سکتا تھا کہ یکبارگی اترنے پر اہل عرب - بنی اسرائیل کی طرح انکار کرتے حالانکہ توریت ان کو اس وقت دی گئی تھی جب ان کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوا کہ ہمو کو علم کرنے کا کوئی دستور العمل دیجئے۔ دوسرے اس سے پہلے فرعون کے غلام رہ چکے تھے اور ایسے غلام کہ ان کے بچے ذبح کر دیے جاتے تھے اور ان پر سخت سے سخت عذاب ہوتا تھا بڑی جدوجہد کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آزادی دلائی اس کے بعد توریت پیش کی گئی تھی اور انھوں نے انکار کر دیا تھا اور منکر بھی ایسے کہ ان کے سردوں پر کوہ طور لا کر رکھا جانے لگا تو وقتی طور پر اقرار کر لیا مگر ایک آنکھ سے اوپر دیکھتے بھی جاتے تھے تو اگر عربوں کیلئے قرآن بھی اسی طرح نازل ہو جاتا تو اہل عرب بنی اسرائیل کی طرح غلام نہیں تھے نہ کسی چیز سے مجبور تھے وہ پوری کتاب کو کس طرح مان لیتے اور اس پر ایمان لاتے اس وجہ سے تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا وہ بھی اس طرح کہ اولاً مکہ ہی وہی چیزیں نازل ہوتی تھیں جن میں خداوند عالم کی صفات و کمالات کا بیان ہوتا تھا پھر تیرہ برس کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو صوم و صلوة، حج و زکوٰۃ و غیرہ احکام اتارے گئے اور وہ بھی تدریجاً۔ یہی رحمت خداوندی تھی کہ جب وہ جاہلی تھی کہ لوگ اس پر عمل کریں تو حکم آجاتا تھا پھر وہ ان کیلئے مفید نہ رہتا تو حسب ضرورت اسکی جگہ دوسرا حکم لایا جاتا۔ اس طرح نازل قرآن تھوڑا تھوڑا ہوتا رہا اور یہی مضمون مصداق ہے

» ما نسخ من آية اولس هانات بخير منها : کا ۔

تدوین قرآن ب۔ دین موسوی کی حفاظت کیلئے یہود کے رسیان کو ذمہ داری سپرد کی گئی تھی کہ وہ توریت کی حفاظت کریں۔ لیکن دین محمدی کی حفاظت کیلئے کتاب اللہ کو علماء امت کے سپرد نہیں کیا گیا : ۱۰ نالہ لحاظونے : میں بطور عبارتہ النص ثابت ہے کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی ہے ۔

سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے تدوین کی فکر ہوئی اس لئے جو جو آیتیں نازل ہوئیں ان کو ابتداء ہی سے آپ نے لوگوں کے صدور میں محفوظ کرنا اور جمع کرنا شروع کر دیا تھا نیز مخصوص صحابہ کو بلا کر لکھا دیا کرتے تھے چنانچہ جبہ بن جبریل علیہ السلام جب کوئی آیت یا سورۃ لیکر آتے تو آپ کے کان سننے میں ، قلب ادراک معانی میں اور زبان پڑھنے میں لگ جاتی تھی اس خطرے سے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے تو باری تعالیٰ نے فرمایا ۔ » لا تحرف به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآن فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ : گویا خدائے عزوجل نے قرأت ، جمع ، بیان اور حفاظت چاروں کا تکفل فرمایا کیونکہ آپ کو تدوین و حفاظت کی اس ذمہ داری سے فکر باکرتی تھی ۔ پھر اسکی حفاظت کیلئے رمضان میں حضرت جبہ بن جبریل علیہ السلام کو بھیجا جاتا اور

جس قدر قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا اس کا آپ کو درکار دیا کرتے اور جب پورا قرآن نازل ہو چکا تو آخری رمضان میں آپ کو پورے قرآن کا درکار آیا تھا۔ اور دوسرے کراہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی ترتیب تو قیعی ہے اور عہد نبوی میں مکمل ہو چکی تھی۔

حفاظت قرآن ب۔ چونکہ اس امت کی حفاظت ہمیشہ اسباب کے ذریعہ ہوتی رہی ہے اسلئے سب سے پہلے قرآن کی حفاظت کا بار ہی کبراکم رضوان اللہ علیہم نے اٹھایا کہ قرآن اترتا تو بعض لوگ لکھ میں لگ جاتے دوسرے حضرات اسے حفظ کرنے کی کوشش میں لگ جاتے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن سینوں میں جمع ہوتا رہا مگر ایک جگہ کتاب و سطور میں بتمام جمع نہیں ہو سکا بلکہ مختلف چھڑوں، ٹھیکروں، پتوں وغیرہ پر لکھا رہ گیا علاوہ ازیں آپ کے دور میں تقریباً تین لاکھ ۴۵۰۰۰ تھے اور وہ سب کے سب نمازی تھے۔ اور نماز کے اندر بغیر قرآن کے کا اپنی چل سکتا اس بنا پر کچھ نہ کچھ قرآن سب کے سینوں میں محفوظ ہو گیا اور بہت سے لوگوں کو پورا قرآن یاد تھا پھر آپ کے دور میں امارت و ولایت کا اہل وہ سمجھا جاتا تھا جسکو قرآن حفظ ہو اور وہ اسے فرما رہے سمجھتا ہو۔

جمع قرآن ب۔ حباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مال کے قریب دو سو برس

فتنے رونما ہو گئے ایک اسود غنسی کا فتنہ جو یمن میں مریا تھا اس کے قبضے میں رُوحن تھے اسلئے وہ شہیدہ بازی کیا کرتا تھا اور لوگوں کو اپنا معتقد بنائے ہوئے تھا۔

دوسرا فتنہ مسلمہ کذاب کا۔ اٹھا اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان کو اپنے منہ سے پھونک دو۔ میں نے پھونک دیا تو وہ اڑ گئے اس واقعہ سے میں نے اندازہ کیا کہ فتنے اٹھیں گے مگر دیر پا نہیں ہونگے جلد ان کا ارتصال ہو جائے گا پھر میں نے اس خواب کی تعبیر صحابہ کو بتلادی۔ خدا کے فضل و کرم سے ہوا بھی اسی طرح۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین روز قبل اسود غنسی کو زہر دیلمی نے قتل کر ڈالا اور خلافت صدیقی میں مسلمہ کذاب کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ مسلمہ کذاب سے بہت خون ریز جنگ ہوئی اور اس میں بہت سے بدرین اور حفاظ قرآن شہید ہو گئے اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر جنگ یمامہ کی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے اور قرآن مجید صرف سینوں تک محدود رہا تو چند سالوں میں اس کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ پھر انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تو انھوں نے دوسرے حضرات سے مشورہ فرمایا ان لوگوں کی بھی یہی رائے ہو گئی بالآخر حجۃ قرآن پر سب کا اتفاق ہو گیا تو

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو عہد نبویؐ میں کاتب وحی رہ چکے تھے اس کا حکم دیا گیا کہ وہ اسے مسطور میں جمع کر دیں تو انہوں نے سورتیں اور آیتیں جمع کر دیں اس طرح بدون ترتیب پورا قرآن جمع ہو گیا۔ اس جمع میں اس کا لیا نہ تھا نہ ہی رکھا گیا کہ سورتوں میں مقدم کون ہے اس وقت اس کا التزام نہیں ہو سکا تھا بقیہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکا تھا کیونکہ ہر سورۃ میں ان کی آیتوں کی ترتیب تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کیونکہ کوئی آیت (ترقی تو آپ کا تہن) وحی کو بلا کر اس کا املا کر دیا کرتے تھے اور ان سے ہم بھی فرمادیا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے بعد لکھنا۔

نزول قرآن علی سبعة احرف ب۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے جب قرآن کی تمام سورتوں کو یکجا کر دیا تو اس میں کسی خاص لغت کی کوئی تخصیص نہیں تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ رسدک میں مختلف مقامات و قبائل کے لوگ داخل ہو رہے تھے ان سب کی زبان تو عربی تھی مگر مختلف قبائل و مقامات کے لغات و ہیجے علیحدہ علیحدہ تھے چونکہ نیا دور تھا اس وقت سب لوگوں کو قریش کے لغت میں یاد کرنا اور کرنا مشکل تھا جیسے یہاں ہیکہ ایک ہی اردو زبان ہے مگر اس کی لغات مختلف ہیں مکھنؤ، دہلی، لاہور، حیدرآباد میں الفاظ محاورے اب و ہیجے بہت بدل گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جب مدینہ میں لفظ "سکین" سنا تو تعجب سے کہا کہ یہاں "مدینہ" کو "سکین" کہتے ہیں
 میں نے یہ کبھی نہیں سنا تھا۔ ان حالات میں قرآن کو پوری قوم میں آسان کرنے کیلئے جناب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دعاء فرمائی کہ قرآن مجید مختلف لغات میں نازل کیا جائے
 آپ کی دعاء قبول کی گئی اور قرآن سات لغات میں نازل کیا گیا اور اسے سات لغتوں میں
 پڑھنے کی اجازت دی گئی تاکہ آسانی سے لوگ پڑھ اور سمجھ سکیں چنانچہ ہر قبیلہ کو اس کے
 لغت کے لحاظ سے یاد کرایا جاتا تھا جیسا کہ حضرت ہشام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ
 شاہد ہے کہ حضرت ہشام بن حکیم بن خرام رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۃ فرقان تلاوت کی تو
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ تم یہ کس طرح قرآن پڑھتے ہو۔ انھوں نے بتایا کہ ہم کو
 یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یاد کرائی تھی۔ اس پر دونوں حضرات میں
 بحث ہوئی اور وہ ختم نہ ہو سکی کیونکہ دونوں نے دو مختلف لغتوں میں یاد کر رکھا تھا تو
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ کے پاس لے گئے اور
 پورا واقعہ سنایا آپ نے دونوں حضرات سے قرآن کی وہ سورۃ سنی اور فرمایا۔
 "هَكَذَا أَنْزَلْ، فَطَكَّنَا أَنْزَلْ" اس کے بعد ارشاد فرمایا "أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَيَّ
 سَبْعَ أَحْرَفٍ" =

لغت قریش :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں صرف قریش

کی لغت میں قرآن شریف یاد کرنے کی پابندی نہیں کرائی تھی بلکہ عرب میں سات مشہور لغتوں میں پڑھنے اور سمجھنے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ان لغات کثیرہ کی وجہ سے زبردست انتشار پیدا ہو گیا ایک خطے کے لوگ دوسرے خطے کے لوگوں کی تعلیم کرنے لگے اس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظ قرآن کی ایک کمیٹی بنائی اور اسے حکم دیا کہ اگر ایک قبیلے کی لغت دوسرے قبیلے کے مطابق ہو تو اسے لکھ لو اور موافقت نہ ہو تو قریشی لغت کو ترجیح دی جائے اس کمیٹی میں چھ حفاظ قرآن تھے اور سب صحابی تھے ان تمام حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید کو مدون کر دیا اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو تہذیبیں کرائیں ایک یہ کہ پورے قرآن کو لغت قریش میں مرتب کرا کے رائج کر دیا دوسرے یہ کہ سورتوں کے درمیان ترتیب دیدیا کہ کون مقدم ہے اور کون کس کے بعد ہے اس کے بعد انھوں نے ایک ایک مصحف بصرہ، مصر وغیرہ بڑے بڑے اسلامی مشہوروں میں بھیج دیا اور ایک مصحف مدینہ منورہ میں رکھ دیا۔

ترتیب قرآنی :- اس ترتیب پر حضرات اہل اب و رضوان اللہ علیہم اجمعین کا

اجماع ہو گیا اور یہی ترتیب آج کل ہمارے سامنے چل رہی ہے۔ بہت سے ائمہ کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخر رمضان میں جو دو مرتبہ آپ سے مدارست فرمائی اس آخری مدارست کی ترتیب یہی ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نمازوں میں جو ترتیب رکھی تھی اور ان میں جو آپ تلاوت فرمایا کرتے تھے وہ اسی طرح ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ دوسری میں آل عمران تیسری میں سورۃ نساء چوتھی سورہ مائدہ۔ اسلئے بہت سے ائمہ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ترتیب سورۃ توفیقی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ صحابہ کرام سے مشورہ لیکر ان کے مجمع میں سبکی رائے سے اس طرح ترتیب دی گئی ہے۔ چونکہ ترتیب کے مسئلہ میں اختلاف ہے اسلئے اس کے متعلق بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ ترتیب کیسی ہے پھر بھی چونکہ صحابہ کرام کا مجمع علیہ ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے۔

« لا تجتمع امتی علی الضلالة »

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

« لا یقرء القرآن معکوسا الا معکوس القلب »

اس لئے اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آیات مرتب کر دی تھیں اور آپؐ ہی کے دور میں ترتیب ہو گئی تھی مگر وہ سینوں کے اندر تھی سفینے میں نہ تھی۔ شیخین رضی اللہ عنہما (حضرت صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) کے عہد میں آیات کی ترتیب مکمل طور پر سینوں سے سفینوں میں آگئی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں سورتوں کی ترتیب بھی سفینوں میں مکمل طور پر آگئی اور تمام ممالک میں رواج پا گئی اور اس وقت سے آج تک اسی طرح رائج ہے۔ :-

— — — :-

باب ششم

حضرت مدنیؒ ایک صاحبِ قلم۔

حضرت مدنیؒ دنیا کے علم کے آفتاب تھے جہاں اپنے چہستانِ روحانیت کو تازگی بخشی اور علم کے سبزہ زاروں کو سبز چھاؤنی دیا۔ سیاسی دنیا کو بھی صبر و استدلال، متانت و فکر، اہمیت رائے، یقین محکم اور جہد مسلسل کا سبق دیا۔ سیاست کو ایک بلند کردار اور پاکیزگی دی۔ مذہب کو ایک نیا جوش اور نئی انگ دی۔ زندگی کو وقار اور عظمت عطا کر کیا۔ مولانا کی مقدس زندگی کے یہی وہ پہلو ہیں جن پر دنیا کی نگاہ پڑتی ہے لیکن آپ تبصرِ عالم، ممتاز سیاست دان، قومی رہنما اور روحانی دنیا کے اماں ہونے کے ساتھ صاحبِ قلم بھی ہیں اور محض نے اپنے قلم کے ذریعہ جو علمی، مذہبی، روحانی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش کرنا میرا اخلاقی ہوگی۔

تصنیفات میں : ”اسیرِ مائیں“، ”نقشِ حیات“، ”متحدہ قومیت“، ”ادب الشہاب الثاقب“، ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ رسائل اور خطابات ہیں اور آپ کے خطوط بھی قابلِ ستائش ہیں جو عالم کی اہم میراث ہیں جنہیں مولانا نجم الدین املائی صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

[illegible]

رسائل، خطبات، مضامین	نام مطابح	صفحات
① کشف حقیقت یعنی مکالمہ الصدرین	دلی پرنشنگ دہلی	۹۶
② نغمائے لیگ اور سٹر جناح کی سیاسی غلطیاں	” ”	۳۶
③ مسلم لیگ کی آرٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں	” ”	۳۸
④ سٹر جناح کا پراسرار معص	” ”	۴۰
⑤ سول میزج اور لیگ	” ”	۲۰
⑥ وقت کے اہم مسائل کی تشریح	ہند کلکتہ	۴۰
⑦ ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل	دلی پرنشنگ دہلی	۳۲
⑧ ایمان و عمل مع جوابات اعتراضات	” ”	۹۶
⑨ مسلمان اگرچہ بے عمل ہو مگر دسک سے خارج نہیں	محبوبہ المطالعہ	۱۶
⑩ خطبات صدارت و نمایاں تعاریر	ہندوستان پرنشنگ	۸۴
⑪ خطبہ صدارت جمعیتہ علماء ہند (منعقدہ سہارنپور ۱۹۴۵ء)	انصاری دہلی	۴۸

رسائل، خطبات، مضامین نام مطالب صفحات

- (۲۱) خطبہ صدارت جمعہ علماء ضلع سنگھ جوہی ۱۹۴۱ء حیدر دہلی ۳۲
- (۲۲) خطبہ صدارت جمعہ علماء ہند - دلی پرنٹنگ " ۴۱
(منعقدہ حیدرآباد ۱۹۵۱ء)
- (۲۳) خطبہ صدارت جمعہ علماء ہند الماس دہلی ۴۶
(منعقدہ کوئٹہ ۱۹۴۳ء)
- (۲۴) خطبہ صدارت مسلم ایجوکیشنل کانفرنس یونین دہلی ۲۴
- (۲۵) خطبہ صدارت جمعہ علماء ہند - شاہی مراد آباد ۴۸
(جونہی ۱۹۴۰ء)
- (۲۶) اغوار الحیہ محبوب الطالب ۳۲
- (۲۷) ارشادات الجمعیۃ دہلی ۱۰۸
- (۲۸) المعراج الجسائی (تہذیب) افسیٹ " ۱۵
- (۲۹) درس قرآن کی سات مجلسیں کوہ نور " ۱۷۲

رسائل، خطبات، مضامین	نام مطالب	صفحات
(۳۰) افادات محمود	برقی دہلی	۷۶
(۳۱) مکتوبات ہدایت	مصطفائی مظفرنگر	۹۶
(۳۲) خطوط کراچی	مسوراج پورنگ دہلی	۸
(۳۳) شیخ الاسلام کے چند نایاب و ندرتوں خطوط	” “	۱۲۲
(۳۴) تبلیغی تقریر	محبوب المطالع	۱۶

تبصرہ تصنیف

اسیر مالٹا :- یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ کا قلم جوان تھا زیادہ
 قرن قیاس ہیکہ یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے لکھتے وقت پورے ہندوستان
 میں برطانوی سامراج کے خلاف ایک تیز چل رہی تھی اور عوام جابرانہ نظام کے خلاف
 آزادی کی لڑائی میں صرف آرام ہو چکے تھے جس میں علماء دیوبند خصوصیت کے ساتھ غنا
 کارانہ طور پر ملک و ملت کی نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے حصول آزادی کیلئے سرزدی کا
 مظاہرہ کر رہے تھے اور ظلم و تشدد کی آندھیوں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے پیش قدمی
 کر رہے تھے جنھیں جیل کی دیواریں اور پھانسی کے پھندے بھی پیچھے نہ کر سکے اور نہ ہی انکے
 پایہ ثبات میں لرزش پیدا کر سکے اسلئے کہ انھیں آزادی چاہئے تھی اور انگریزوں کو اس
 ملک سے نکال کر اپنی پسند اور اہل ہند کی مرضی کے مطابق نظام ملک مرتب کرنے کی آرزو تھی
 انھیں ایسا بلاخیز میں : اسیر مالٹا : تحریر کی گئی۔ ظاہر ہے ہر تصنیف اپنے گرد و
 پیش کے ماحول میں پیدا ہوتی ہے اور اپنے اندر ماحول کی عکاسی اور احساسات کے

لقوش کی چاشنی و نمکینی سموئے رہتی ہے۔

اس کتاب کے شروع کے چند اوراق میں بہت ہی دلپذیر و پسندیدہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے ہر لفظ میں غلوں ہے جس سے ایک ٹرپ پیدا ہوتی ہے اس کے ہر جملے میں انسانیت و اخوت اور محبت و عقیدت کی سمندر کی گہرائیوں جیسی پیچ و تاب کھاتی موجیں، جذبات و احساسات کے گرجتے ہوئے پر بہار بادل میں انقلاب کی کھسکھاتی ہوئی گونجیں ہیں اور اس کے ہر لفظ میں خیالات و افکار کے دھکتے ہوئے شعلے کی فطالتی ہوئی چنگاریوں سے آنچ ٹمسوں ہوتی ہے اسکی تحریریں شمع آزادی پر نثار ہونے والے پروانوں کو جہد و جہد کی دعوت دے رہی ہیں اور جذبہ جہاد کی حقیقتیں پیش کرتے ہوئے اپنی نوک قلم سے سامراجیت کے قلوب میں نشتر چبھو رہی ہیں استقامت و اولوالعزمی کا مظاہرہ پاک بازی و راست گوئی کا منبع اور شریعت و طریقت کا راستہ دکھا رہی ہیں۔ آگے چکر انقلابیوں کے امام حضرت مولانا محمد الحسنؒ (شیخ الہند) کی جان نثار زندگی کا ایک گوشہ نمایاں کرتے ہوئے ان کی منظم تحریک کے ایک اہم واقعہ کا جائزہ لیتے ہوئے حالات و کوائف اور تجربات و مشاہدات کی انتباہ گہرائیوں کے ساتھ آپ شیخ الہندؒ کی مودانگی حجاز سے بیکر ماٹا کی قید اور واپسی ہندوستان تک کے واقعات کی منظر کشی کرتے ہوئے تسلسل کو ملحوظ خاطر

دیکھ کر ایسی تصویر پیش کی ہے کہ ترکی، ہندوستان اور عرب ممالک کی مظلومیت اور
 اتحادیوں کے روباہی کرتب اور ظالمانہ رویے روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے ہیں۔
 اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں واقعات کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ چند
 گوشوں کا ایک خاص زاویہ بن گیا ہے جس سے آپ کے دور کے سبھی لوگوں بالخصوص
 ان کیلئے جو مسلمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کا دم بھرتے ہیں اور
 خود کو آپ کے مشن کا علمبردار کہتے ہیں۔ احتساب ذات کا ایسا عمدہ موقع فراہم ہوتا ہے
 جو اپنے آپ میں بے نظیر ہے اس کتاب میں حکومت برطانیہ اسکی ذریت اور اس جیسی دیگر
 ظالم حکومتوں میں قید و بند کی تصویریں۔ جذبات کو متعش اور دلوں کی دھڑکن بڑھا
 دیتی ہیں اور اسکے ظلم و جبر کی داستانیں فکر و رجحان میں اضطراب پیدا کرتی ہیں اور کچھ کر
 گزرنے پر آمادہ کر دینے کیلئے کافی نظر آتی ہیں۔

اپنے وقت کے لحاظ سے اس کی افادیت مسلم تو تھی ہی ہے بھی بطور
 خاص اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کیلئے غم کرنے والوں کو مفید راستہ دکھاتی ہے۔

نقش حیات :- حضرت مدنیؒ کی خود نوشت سوانح ہے۔ اس کی تحریر کا اپنا ایک خاص اسلوب نگارش ہے جو بہت ہی سنجیدہ بہت ہی جامع اور بہت ہی پاکیزہ ہے۔ اس میں کہیں الجھاؤ نہیں ملتا ایک ہی رنگ ایک ہی اسلوب اور ایک ہی شان ملتی ہے اور کہیں بھی ایسا موڑ نہیں ملتا جہاں قلم نے اپنے حدود سے تجاوز کیا ہو مولانا نے عملی زندگی میں جس طرح ایک دافع اور صاف اور متین راہ اختیار کر لی تھی ان کی تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے اور یہی صفائی و ستھرائی ان کی تحریر میں جھلکتی ہے جس سے ہم مذکورہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

صاحب قلم چاہے تو معمولی سے واقعہ کو پھیل کر اسے ایک مکمل کتاب کی صورت میں پیش کر سکتا ہے لیکن یہ خوبی کوئی پسندیدہ چیز نہیں کہی جاسکتی۔ بے ضرورت اور بلاوجہ تحریر کے پھیلاؤ سے پڑھنے والا اکتا جاتا ہے اور مکمل کئے بغیر رکھ دیتا ہے اور اگر پوری کتاب کا مطالعہ کر بھی لے تو اس کے ذہن میں کچھ نہیں بیٹھتا۔ مولانا کا قلم اس بات کا خاص لحاظ رکھتے ہوئے وہیں تک چلتا ہے جتنا اسے چلنا چاہئے اس میں بڑے سے بڑے واقعات کو بھی اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھا گیا ہے یعنی کہ نہ اس میں اتنی تفصیلات اور جزئیات ہوتی ہیں کہ پڑھتے پڑھتے جی گھبرا جائے اور نہ اتنا اختصار کہ مطلب و مفہوم ہی خبط ہو جائے جس بات کو

جس انداز سے پیش کرنے کے بعد مطلب واضح ہو جائے اور قاری کے ذہن میں الجھاؤ پیدا نہ ہو سکے اسی تفصیل و اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ایک صاحب قلم کی خوبی اور زبان میں قدرت و مہارت کی واضح دلیل ہے۔ یہی مولانا کا سب سے بڑا کمال ہے کہ وہ اپنے مطلب کو بہت واضح طور پر پیش کرتے ہیں جس سے قاری کی سمجھ میں آسانی آ جاتا ہے اور اس سے ایک یقینی کیفیت جاگزیں ہوتی ہے اور دل میں احساس و تحریک کی ایک رتق پیدا ہوتی ہے۔

مولانا کی اس تحریر میں پاکیزگی و ستھرائی کے علاوہ یقین و عزم کی کیفیت ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔ ہمیں اب تک ایسا کوئی مقام نظر نہیں آیا جہاں بزدلی، خون اور تذبذب کا احساس ہو۔ ہر لفظ میں ایک ٹھہراؤ ہے اور ہر جملے میں ایک وزن اور قار ہے ہر سطر میں ایک تجربہ اور مشاہدہ ہے اور اولوالعزمی کی مکمل عکاسی ہے۔ اس تحریر میں ایک خاص انفرادیت جھلک رہی ہے ادھر ادھر کی باتوں سے مکمل طور پر احتراز کرتے ہوئے اپنے اہل مقصد اور موضوع کے اندر رہ کر مابوزن، ٹھوس اور اہل باتیں پیش کی ہیں۔ حقائق کی نقاب کشائی مقصد کے اظہار اور صداقت کے اعلان میں ایک خاص طرز کو اپنا کر تاریخ کے ضمیر کو پوچھتے ہوئے اس کے قطرے صفحہ بھر کا س کو سیراب کر دیا ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف اور تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے

ہندوستان پر مظالم ڈھائے۔ اسکی جائیدادیں اور دولتیں لوٹیں اور پھر اپنے احسانات بھی جتاتے میں ایک قدم آگے رہے اور اپنے جرائم و عوارف کو چھپانے کی حتی الوسع کوشش کرتے رہے۔ مولانا مدنی نے ان ہی کی تحریروں سے ان کے فاسد عزائم اور ان کے مظالم اور جبر و قہر کو اجاگر کر کے انھیں بے نقاب کر دیا اور ان کے اصلی چہرے کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انگریز زبردست ظالم تھے انھوں نے ہند اور اہل ہند کا خون چوسنے میں اپنی خونخواری کا پورا ثبوت دیا۔ مولانا مدنی کی تحریر میں گرمی کہیں کہیں روکھا نہیں محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات سامنے رکھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے کہ "نقش حیات" کوئی افسانہ یا ناول کی کوئی کتاب نہیں۔ شعر و ادب کا کوئی مجموعہ نہیں بلکہ خود نوشت سوانح ہے جو ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر ایک مکمل کتاب بھی کہی جاسکتی ہے۔ مورخ کیلئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ ادب اور تاریخ دونوں کو ایک ساتھ لے کر چلے بلکہ تاریخ اور ادب کی راہیں الگ الگ ہیں۔ فن اور مقصد کے لحاظ سے دونوں کے راستے جدا گانہ ہیں اگر دونوں کو ایک ہی جیسا سمجھ لیا جائے تو نہ تاریخ کی حقیقتیں واضح ہونگی اور نہ فن اپنے انفرادی امتیاز کو باقی رکھ پائے گا۔ مولانا کو نہ مورخ کہا جاسکتا ہے نہ ادیب لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر آپ کو انتہائی عبور حاصل تھا اور آپ کو

اتنی دافر معلومات تھیں جتنی ایک مورخ کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔

اس کتاب کے بارے میں گذشتہ صفحات پر جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں کثرت سے انگریزی اور اردو زبان کی تاریخی کتابوں کے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کو حدیث، تفسیر، فقہ اور معقولات کے علاوہ فن تاریخ پر بھی عبور حاصل ہے جہاں کوئی بات لکھی گئی ہے بے دلیل نہیں ہے۔ مذہبی و علمی مضامین ہوں تو ان میں جابجا آیات و احادیث کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں اور جب تاریخی حالات کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے تو مستند تاریخی کتب سے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں اس طرح کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک یقینی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نتیجہ پر پہنچ کر کسی تردد اور شک و شبہ کا شکار نہیں ہوتا بلکہ ایک متعین اور کشادہ راہ سامنے ہوتی ہے۔

منداذہ لگتا ہے اس کی تحریروں سے کہ مولانا مدنیؒ کو اردو زبان پر ملکہ حاصل تھا کیونکہ اپنے مقاصد و عزائم جس طرح چاہا زبان و قلم کے ذریعہ سادگی و خلوص، تفصیل و اختصار اور اسلوب نگارش میں واقعات کے تسلسلے کی خوشگوار امتزاج، صداقت و صفائی کی نگہداشت اور یقین و عزیمت کی پختگی اور شریعت و طریقت کی تابندگی میں اس کی چاشنی پیدا کر کے قاری کے ذہن کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ان میں حوصلے اور امنگ کی کیفیت پیدا کر دی۔ ایک اقتباس ملاحظہ

فرمائیں۔ مدینہ منورہ میں ان کے ذاتی مکان کی تعمیر کے وقت جو واقعہ پیش آیا اسے یوں نقل کرتے ہیں۔

”لبسا اوقات میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھتا ہوتا تھا اور آدمی آتا کہ والد جہاں بلارہے میں طلباء کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ مٹی اٹھانے والا یا اینٹ اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کام کو انعام دو مجبوراً تمہارا دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا لبسا اوقات اینٹ اینٹ۔ دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنا پڑتا ہے اتنی سی مختصر قہر میں آپ نے اپنی زندگی کا ایک نقشہ کھینچ کر پیش کر دیا۔ آپ نے ایسے نازک موقع پر بھی سیرت کی تعمیر کا خیال رکھا۔ اخلاقی قدروں کو بلند کیا اور خود اخلاص و انکسار، اطاعت و انقیاد، استقامت و جفا کشی اور سعادت و سنت کی مثال کو اپنی عملی زندگی میں پیش کیا۔ چند سطروں نے ہمیں بتا دیا کہ انھیں کتابوں سے فطری تعلق اور دلی رابطہ تھا لیکن والد بزرگوار کا حکم پہنچا اور فوراً اسکی تعمیل کی اور سطرۃ الطاعت والدین کا حق ادا فرمایا اور دوسری طرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ادا کی۔ مزدور نہ ملے پر یہ ہو سکتا تھا کہ تعمیر کا کام روک دیا جاتا جب مزدور آتے پھر کام شروع ہوتا عجلت کی کوئی ایسی

بات نہیں تھی لیکن افلاس اور دیگر مجبوریوں نے ایک سے دو ہفتہ تک مٹی اور گارے کا کام کرنے پر مجبور کیا۔ وہ برابر اپنے کام پر گئے رہے۔ گھبراہٹ و اکتاہٹ، کاہلی و سستی، ہزاروں ذرا اور روحانی و جسمانی ٹھکاوٹ محسوس کرنے کے بجائے محنت و جفاکشی عظیم و حوصلہ، صبر و تحمل یقین و ایمان اور سعی و سہم اور جد مسلسل سے کام لیتے ہوئے اپنے کام کو بخوبی انجام دیا۔

مکتوبات شیخ الاسلام :-

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے اہم اور خاص مکتوبات کو

مولانا نجم الدین احمد صاحب، خطمی نے مرتب کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مکاتیب شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں جسکی شخصیت معلوم کرنی

ہو تو اس کے خطوط دیکھے جائیں جس کے آئینے میں شخصیت کی تصویر اپنے اصلی خود و حال میں صاف دکھائی دے گی۔

مولانا مدنی کے ان مکتوبات کے پڑھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مدنی داخلی

اور خارجی دونوں اعتبار سے بہت متاثر بہت مصروف اور بلند کردار کے حامل تھے۔

ہو سکتا ہے کہ کہا جائے کہ کسی شخصیت کی معلومات حاصل کرنے کیلئے خطوط ہی کیوں

دیگر ادھر بھی ذرا غور ہے؟ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے اور اس سے انکار درست نہیں۔ لیکن ہمیں

میر بھی سوچنا ہے کہ ہم دُکروں کے مکتوبات زیر مطالعہ کیوں لاتے ہیں؟ جواب یہی ہو سکتا ہے کہ دُکروں کے مکتوبات پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ہمیں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو۔

ظاہر ہے کہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں لکھے گئے الفاظ و تراکیب کے مجموعے کو سامنے رکھا جائے تو اسکی افادیت کے پہلو خود بخود اجاگر ہو جائیں گے۔ مولانا مدنیؒ کے مکتوبات کی یہی خاص اہمیت ہے کہ کسی نہ کسی کے استیصار پر لکھے گئے ہیں جو تعلیم و ہدایت کے آئینہ دار ہیں۔ جو خالص علمی، فقہی اور باطنی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، علم و معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے اور رشد و ہدایت کا ایک سرچشمہ۔ ان خطوط میں مولانا مدنیؒ کی شخصیت اور ان کا بلند کردار اور اردو ذوق ادب کا عمدہ نمونہ بھی سامنے دکھائی دیتا ہے۔

مکتوبات زبان کے اعتبار سے بوجہل بھی ہیں کیونکہ ان مکاتیب میں عربی کے مخصوص الفاظ و اصطلاحات جا بہ جا پائے جاتے ہیں۔ دراصل ان مکتوبات سے تعلیم و ہدایت کا کام لیا گیا ہے اور علمی، فقہی اور باطنی مسائل کو سنبھالیا گیا ہے لہذا ان الفاظ و اصطلاحات کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اس طرح سے ثقل کو نظر انداز کر دینا غالباً خدان ارب نہیں۔

مکتوبات کا کونسا حصہ اور کونسا اسلوب پسندیدہ ہے اور کون نہیں بہ تو اپنے اپنے ذوق طبع کی باتیں ہیں کیونکہ کسی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ عبارت خاطر ۱۰ کو اس

وجہ سے پسند کیا کہ اس میں الفاظ کی سجاوٹ سے پھولوں کی مہک پیدا ہوتی ہے۔ خیالات کی رنگینی میں معلومات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ جملوں کی سلسلہ وار خوبصورت ترتیب سے نگاشن جیسا ہوش رہا سماں پیدا ہوتا ہے اور ادب کی چاشنی میں خوشنما گلہارستہ رونا ہو کر دل و دماغ کو طمانیت پہنچاتا ہے۔

کسی نے غالب کے خطوط کی سادگی کو دشمنہ کے الہامین ظاہر ہونے کا تصور قائم کیا بے تکلفی کے پیرائے بیان میں محبوب کی قربت کا جواز اور نظرات کے طرز کو سماج کی خوشنمائی کا آئینہ دار تصور کر کے پسندیدہ سمجھا۔

”مکتوبات شیخ الاسلام“ کو اس لئے پسند کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک علمی و دینی شاہکار ہے۔ اس میں خالص علمی برتری، اخلاقی بلندی اور روحانی فیوض و برکات کو جملوں کے خوبصورت قالب میں پرویا گیا ہے۔

مصادر ، مأخذ ، مراجع

- ۱۔ ڈاکٹر اقبال حسن خان شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ حیات اعلیٰ کا زمانہ۔
صفحہ ۲۲۳۔ علیگڑہ مسلم یونیورسٹی (۱۹۷۳ء)
- ۲۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ ادلہ دکر نقش حیات۔ انجمنہ بکڈلو قائم جہاں انٹرنیٹ (۱۹۵۷ء)
- ۳۔ ” ” خطبہ صدارت۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علیگڑہ
- ۴۔ میاں محمد شفیع (۱۸۵۷ء) کی پہلی جنگ
- ۵۔ مولانا غلام رسول مہر (۱۸۵۷ء)۔ کتاب منہزل للہجور (۱۹۵۷ء)
- ۶۔ مفتی عزیز الرحمن بخاری تذکرہ شیخ الہند۔ مدنی دارالکتاب بخاری (۱۹۴۵ء)
- ۷۔ ” ” تذکرہ مشائخ دیوبند۔ صفحہ ۲۲۰ مدنی دارالکتاب بخاری (۱۹۴۷ء)
- ۸۔ مولانا حسین احمد مدنی مولانا عبدالحق۔ تحریک ریشمی و مال۔ کلاسک ۲۲ دی مال۔ (۱۹۶۶ء)
- ۹۔ شیخ محمد اکرام ورد کوثر و موج کوثر صفحات ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۶۹ دارالتواضع (۱۹۸۲ء)
- ۱۰۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی پرانے چراغ
- ۱۱۔ ” ” پندرہویں صدی ہجری مافوقی حال کے آئینہ میں۔ صفحہ ۱۸
مجلس تحقیقات و نشریات اسلامک کونفر (۱۹۸۰ء)

- ۱۲۔ مولانا اسیر اردوی . تاریخ جمعیتہ علماء ہند صفحات ۵۶۵ شعبہ اشاعت جمعیتہ علماء ہند ۱۹۸۲ء
- ۱۳۔ خیر اللوحیدی . شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صفحات ۸۵۶ . ناشر قومی کتاب گھر ۶۱ ذاکر نگر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جنوری ۱۹۹۲ء
- ۱۴۔ ڈاکٹر احتشاک احمد ندوی . عمر حاضر کی اسلامی تحریکیں صفحات ۲۲۰ . انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ ۱۹۸۸ء
- ۱۵۔ فیوض الرحمن . مشاہیر علماء دیوبند جلد اول صفحات ۴۶۴ . المکتبہ الفریدیہ اردو بازار لاہور . پاکستان ۱۹۷۶ء
- ۱۶۔ مولانا قاری محمد طریب . دیوبند کی صد سالہ زندگی صفحات ۱۲۸ دفتر پیماک دارالعلوم دیوبند ۱۹۴۵ء
- ۱۷۔ " " . تاریخ دارالعلوم دیوبند . کراچی پاکستان ۱۹۷۲ء
- ۱۸۔ سید محبوب رضوی . تاریخ دارالعلوم دیوبند - دو جلد
- ۱۹۔ سید طفیل احمد منگلوری . مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحات ۷۲۰ کتب خانہ عزیز دہلی ۱۹۴۵ء
- ۲۰۔ سید نجم میاں . علماء و حق - جلد اول صفحات ۳۰۴ جلد دوم صفحات ۷۳۶
- دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۴۸ء

- ۲۱۔ مولانا محمد اسلم قاسمی دارالعلوم دیوبند کی ایک صدی کا علمی سفر مکتبہ دانش دیوبند
- ۲۲۔ خورشید مصطفیٰ رضوی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ صفحات ۵۷۷ مکتبہ برہان
- اردو بازار دہلی ۱۹۵۹ء

- ۲۳۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ترجمہ صادق حسین
- ۲۴۔ نین تارا سہگل ہندوستان کی تحریک آزادی ترجمہ محبوب محمد خاں صفحات ۱۳۳
- ۲۵۔ نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ دہلی اپریل ۱۹۷۳ء
- ۲۶۔ محمد شاہد سہارنپوری اکابر کے خطوط صفحات ۲۰۸ کتب خانہ اشاعت العلوم
- علم مفتی سہارنپور ۱۹۷۶ء

- ۲۷۔ مولانا عبدالحی نثر تہ الخواکر مطبوعہ حیدرآباد

- ۲۸۔ ماہنامہ الحلال ایڈٹ شدہ ایڈیشن جلد اول ترقی اردو بورڈ کھنڈر
- ۲۹۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ ۱۹۷۰ء
- ۳۰۔ " " اپریل ۱۹۷۰ء

- ۳۱۔ . ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جولائی تا اگست ۱۹۸۳ء
- ۳۲۔ . " " " جنوری - ۱۹۸۵ء
- ۳۳۔ . " " " الحرم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نمبر
- ۳۴۔ . " " " الرشید لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر - فروری تا مارچ ۱۹۷۶ء
- ۳۵۔ . " " " ساہیوال مدنی و اقبال نمبر - ستمبر تا اکتوبر ۱۹۷۸ء
- ۳۶۔ . مدرسہ نامہ الجمعہ دہلی شیخ الاسلام نمبر - فروری ۱۹۵۸ء
- ۲۷۔ . اوتاراد ریجو کیشنل کانفرنس علی گڑھ ۱۹۸۶ء